منبعِ انوار

مرتب

صاحبزادہ میاں جلیل احمد شرقپوری
ایم اے معاشیات
پنجاب یونیورسٹی لاہور

ناشر

مکتبہ نورِ اسلام شرقپور شریف

حالات وواقعات

قطب ربانی
شیر یزدانی اعلحضرت میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ العزیز

مرتب
صاحبزادہ میاں جلیل احمد شرقپوری

مکتبہ نور اسلام
شرقپور شریف ضلع شیخوپورہ

صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ شیر ربانی رحمۃ اللہ علیہ

نام کتاب	منبعِ انوار
مُرتب	صاحبزادہ میاں جلیل احمد شرقپوری
ناشر	مکتبہ نورِ اسلام، شرقپور شریف
مطبع	ناصر باقر پرنٹرز 8/2 ریٹی گن روڈ، لاہور، 042-7232531,7232535
اشاعت	بار ششم، اکتوبر 2005
پروف ریڈنگ	محمد عالم مختار حق

دارالمبلغین حضرت میاں صاحب شرقپور شریف فون 0498-591054,590791

کاشانہ شیر ربانی مکان نمبر 5 اجمیری سٹریٹ ہجویری محلہ داتا گنج بخش لاہور۔ فون: 7313356

نمبر شمار	مضمون		صفحہ نمبر
1	منقبت		07
2	حرفِ آغاز		08
3	لمحہ فکریہ	از حضرت میاں جمیل احمد شرقپوری	13
4	اعلیٰ حضرت شیرِ ربانی میاں شیر محمد شرقپوریؒ از ابوصمصام نقشبندی		20
5	سوز دل	از حکیم نیّر واسطی	71
6	طریق تبلیغ وتربیت	اقتباسات از خزینہ معرفت	72
7	رشد وہدایت	اقتباسات از شیرِ ربانی	78
8	شجرہ طیبہ		88

منقبت

در مدح حضرت میاں صاحب شیر محمد صاحب۔ شرقپوری رحمتہ اللہ علیہ

اے سلسلہ عظمتِ اسلاف کے سرتاج
ملت ترے انفاس کرم سے ہوئی بیدار

اسلام کی عزت میں تری روح ڈھلی تھی
جو شیوہ افرنگ سے ہر لحہ تھی بیزار

تو شیرِ محمد ہے ترے لطف و کرم سے
نورو عمر و سید و رحمت ہمہ سرشار

ہر فعل ترا خلوت و جلوت میں سراسر
تھا آئینہ دار روشِ سیدِ ابرار

تو مظہرِ فیضانِ رسول عربی ہے
ہیں تجھ پہ عیاں معرفتِ ذات کے اسرار

بدبخت ہزاروں تری درگاہ میں آئے
بس ایک نظر سے وہ بنے مخلص و دیندار

وابستہ ہے تجھ سے شرفِ امتِ مرحوم
ہے شان ولایت سے گرامی تری سرکار

تیرے حرم جاں پہ عجب رنگ سے ہر دم
ہے مہر درخشندۂ سرہند ضیا بار

توڑے تری شمشیر نے طاغوت کے اصنام
الحاد کے ظلمت کدہ پر وہ تری یلغار

ترویجِ شریعت ترا منشا تھا جہاں میں
اس ذوق پہ شاہد ہے سراسر ترا کردار

حاضر ہے ترے در پہ جگر خستہ فقیر آج
ثاقبؔ کے طفیل اس پہ نگاہ کرم اک بار

حرف آغاز

انسان جسم و روح کا مرکب ہے اگر جسم سے روح پرواز کر جائے تو باقی انسان نہیں بلکہ مردہ جسم رہ جاتا ہے۔ جب خالق کون و مکان نے انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرمایا تو اس کے جسم کی تخلیق کے لیے مٹی کا پتلا بنا کر اس میں روح پھونک دی۔ چونکہ ہمارا جسم مٹی سے بنایا گیا اس لیے جسم کی پرورش کے لیے غذا بھی مٹی سے ہی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح جسم کی پرورش کے لیے غذا کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح روح کی پرورش کے لیے بھی غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ روح چونکہ مٹی سے پیدا نہیں ہوئی اس لیے اس کی غذا بھی مٹی سے پیدا نہیں ہوتی۔ روح کی تقویت کے لئے گندم، چاول، سبزیات اور پھلوں کی ضرورت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی ضرورت ہوتی ہے۔

انسانی زندگی میں دو نظام کارفرما ہیں ایک جسمانی نظام اور ایک روحانی نظام۔ جسم چونکہ فانی چیز ہے اس لیے اس کا نظام بھی فانی ہے روح چونکہ فنا نہیں ہوتی اس لیے اس کے نظام کو بھی فنا نہیں ہے۔ جس طرح جسمانی نظام کا تعلق ظاہری امور سے ہوتا ہے بعینہ روحانی نظام کا تعلق باطنی امور سے ہوتا ہے۔ المختصر انسانی زندگی میں جسم و دماغ اور روح سب اپنی اپنی جگہ پر اہمیت کے حامل ہیں۔ جسم کی تربیت والدین کرتے ہیں دماغ کی تربیت استاد کرتے ہیں اور روح کی تربیت اولیاء اللہ کرتے ہیں۔

اولیائے کرام ہماری روح کے مربی ہوتے ہیں وہ روح کو غفلت کی نیند سے بیدار کرتے ہیں اور ہمیں مرنے جینے کا سلیقہ سکھاتے ہیں۔ وہ وحشیوں کو مہذب وشائستہ بنا دیتے ہیں۔ ان کی محبت سے انسان کو اپنی قوت کا احساس وادراک ہوتا ہے نفرت کے بجائے صحبت کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اولیاء اللہ ہمیں دنیا کی دلدل سے نکال کر منزل مقصود کا راستہ دکھاتے ہیں وہ ہمیں دنیا سے دور نہیں کرتے بلکہ دنیا کو سنوارنے کا طریقہ بتاتے ہیں نفسا نفسی اور نفرت و بے راہ روی کے اس ماحول میں اولیاء اللہ کی صحبت ہمارے لیے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔

مادہ پرستی کے اس دور میں حضرت امام یوسف ہمدانیؒ کے بقول:

''ہر روز خاصان حق کے تذکرے کے چند اوراق پڑھ لینے سے غفلت و گمراہی دور ہو کر سلامتی ایمان و یقین کی دولت ہاتھ آتی ہے''۔

قرآن مجید فرقان حمید جو کہ خالصتاً کتاب ہدایت ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے ہماری ہدایت اور رہنمائی کے لیے آدھے سے زیادہ حصے میں پہلی امتوں کے انبیاء اور اولیاء کے حالات و واقعات ہی بیان فرمائے ہیں اور پھر حضور اکرم ﷺ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا۔ جس کا مفہوم یہ ہے:

''اے رسول ﷺ! پہلے پیغمبروں کے واقعات سننے سے تمہارے دل کو راحت و آرام حاصل ہوگا اور وہ مضبوط ہو جائے گا'' (۱۱:۱۲۰)

قرآن مجید کے اس فیصلے سے ہمیں اس بات کے لیے سند مل جاتی ہے کہ اولیائے کرام کے حالات و واقعات و کرامات بیان کرنا ایک بہترین ذریعہ تبلیغ ہے اور اس سے خدا کی رضا حاصل ہوتی ہے کیونکہ ہر محبوب کو اپنے محب کا ذکر اور ہر محب کو

اپنے محبوب کا وصف اچھا معلوم ہوتا ہے اور وہ اس سے خوش ہوتا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا فرمان ہے کہ:

''اولیاء اللہ کا وجود رحمت ونعمت ہے اور ان کا ذکر نزول رحمت کا سبب اور وصل وقربت حق کا ذریعہ ہے''۔

حضرت بشر حافی کا ایک قول ہے کہ

''ایک گروہ ہے وصال شدہ لوگوں کا جن کے ذکر سے قلب زندہ ہو جاتے ہیں اور ایک گروہ ہے زندہ لوگوں کا جن کی دید سے دل مردہ ہو جاتے ہیں''۔

اولیاء اللہ خواہ اپنی ظاہری زندگی میں ہوں یا برزخی زندگی میں ہوں ان کے فیوض و برکات میں کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ بقول حضرت میاں میرؒ ''برزخی زندگی میں اولیاء کرام کے تصرفات پہلے کی نسبت کہیں زیادہ ہو جاتے ہیں''۔

خداوند ذوالجلال نے حضور اکرم ﷺ کی امت میں اولیاء اللہ کو یہ عظمت ورفعت عطا فرمائی کہ وہ ہر دور میں شمع توحید کے پروانے اور عشق مصطفیٰ ﷺ کے دیوانے رہے اور مطلع صدق وصفا اور پیکر زہد وتقویٰ بن کر جلوہ گر ہوئے اور اپنے فیض سے ایک دنیا کو منور کرتے رہے۔ اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ بھی انہی نفوس قدسیہ میں سے تھے جنہوں نے اپنے کردار وگفتار، علم وعمل، تقویٰ وپارسائی اور پاکیزہ عادات واطوار سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو خداشناس بنا دیا۔ آپؒ مادرزاد ولی تھے اور اپنے پیرو مرشد حضرت خواجہ امیر الدینؒ کی مراد تھے۔ اعلیٰ حضرت شرقپوریؒ حضور اکرم ﷺ کی سنت کی چلتی پھرتی تصویر تھے۔ سنت کے خلاف ذرا سی جنبش بھی پسند نہ فرماتے تھے۔ آپؒ فرمایا کرتے تھے کہ مسلمان وہ ہے جو غیر

مشروع فعل کو دیکھے تو شمشیر برہنہ بن جائے۔ اعلیٰ حضرت شیر ربانیؒ کی حیات طیبہ پر بہت سی کتب لکھی جا چکی ہیں جن میں خزینۂ معرفت، سیرت پاک شیر ربانیؒ، انقلاب الحقیقت اور حیات جاوید خاصی شہرت حاصل کر چکی ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت سی کتب شائع ہو چکی ہیں۔ کچھ عرصے سے میرے ذہن میں یہ بات ابھر رہی تھی کہ آپ کے حالات و واقعات پر مبنی ایک مختصر مگر جامع کتابچہ شائع کیا جائے جسے ہر شخص بآسانی تھوڑے وقت میں پڑھ کر فائدہ حاصل کر سکے۔ جن دنوں یہ خیال میرے ذہن میں گردش کر رہا تھا ان ہی دنوں گورنمنٹ کالج لاہور کے نیو ہوسٹل میں ایک دوست نے مجھے ''سب رنگ'' ڈائجسٹ کا ایک شمارہ دکھایا جس میں حضرت میاں صاحبؒ کے حالات و واقعات پر مبنی ایک نہایت ہی جامع مضمون تھا میں نے اس مضمون کو کئی بار پڑھا ہر دفعہ پہلے سے زیادہ لطف آتا اور آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے۔ یہ مضمون پڑھتے ہی میں نے یہ فیصلہ کیا کہ اسے الگ پمفلٹ کی صورت میں چھپوا کر تقسیم کر دیا جائے۔ اس چھوٹی سی کتاب کو مختصر حالات حضرت شیر ربانیؒ و حضرت ثانی لاثانیؒ کے نام سے شائع کیا گیا۔ اس کتاب کو حلقہ عقیدت منداں میں نہایت ہی پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا اور یہ ایڈیشن چند ہی دنوں میں ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہو گیا۔ ۱۹۸۸ء میں بزم جمیل فیصل آباد نے کچھ اضافی مضامین کے ساتھ ''منبع انوار درشرقپور شریف'' کے نام سے شائع کیا۔

اب پانچویں مرتبہ پہلے کی نسبت بہت بہتر صورت میں شائع کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ جس کے لیے میں پروفیسر ڈاکٹر بشیر احمد صدیقی صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس سلسلے میں میری ہر لحظہ راہنمائی فرمائی۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو اپنی بارگاہ قدسیہ میں شرف قبولیت بخشے اور ہمیں بزرگوں کی تعلیمات سے بھرپور استفادہ کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

صاحبزادہ میاں جلیل احمد شرقپوری
ابن حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی
(آستانہ عالیہ شیر ربانی شرقپور شریف)

لمحۂ فکریہ

صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ شیر ربانی شرقپور شریف

اس تلخ حقیقت سے کوئی بھی بے خبر نہیں کہ ہمارے نونہال فحش اور اخلاق سوز رسالوں، جاسوسی ناولوں اور ڈائجسٹوں کے مطالعہ کے عادی بن کر دین وایمان سے منحرف اور پاکیزہ روایات اور اقدار سے بیگانہ ہو کر بے حیائی اور بداخلاقی کے عادی ہوتے جا رہے ہیں۔ والدین اولاد کی گستاخیوں اور نافرمانیوں سے عاجز آ چکے ہیں۔ اخبارات میں ''عاق نامہ'' کے اشتہارات پڑھ کر اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ والدین کس قدر بے بس اور مضطرب ہیں۔ یہ صورتحال نہایت تشویش ناک ہے اور فوری موثر اصلاح احوال کی متقاضی ہے۔ ہماری اسلامی مملکت میں ہندومت کے پروپیگنڈے کی حامل کہانیاں جنہیں جنسی لذت اور سنسنی خیزی سے دلچسپ بنایا جاتا ہے ہندو اور یہودی سازش کے تحت فروغ پا رہی ہیں۔

ہر صاحب اولاد اپنے بچوں کے کردار کے متعلق یقیناً پریشان ہے۔ فحاشی کا زہر دھیرے دھیرے نوخیز لڑکوں اور لڑکیوں کے رگ و ریشے میں سرائت کرتا جا رہا ہے یہ طبقہ اسلامی نظریات کو ترک کر کے مخرب اخلاق لٹریچر فلم اور ٹیلی ویژن کے مضر اثرات کو بڑی تیزی سے قبول کر رہا ہے اس ماحول میں پل بڑھ کر آج کے نوجوان جب آئندہ خود ماں اور باپ کا روپ دھارتے ہیں تو وہ آپ اپنے بچوں کو کلمہ طیبہ اور بسم اللہ سکھانے کے بجائے انگریزی الفاظ اور انگریزی نظمیں سکھاتے ہیں۔ مائیں اسلامی ناموں کے بجائے جمی اور سویٹی وغیرہ ناموں سے پکارنا زیادہ پسند کرتی ہیں۔ اسلامی رنگ سے یکسر محروم ماحول میں جوان ہونے والے یہ بچے نظریہ پاکستان کی بھلا کیا حفاظت کرسکیں گے۔ اندریں حالات یہ نہایت ضروری ہے کہ اسلامی مملکت میں ایسا لٹریچر جو اخلاق کو تباہ کرنے والا ہو جو اسلامی نظریات اور قومی کردار کے لیے زہر قاتل ہو ممنوع ہونا چاہیے مگر پاکستان میں فحش رسالے اور ناول نیم عریاں تصاویر سے بھرپور بلا روک ٹوک چھپتے ہیں اور بکثرت پڑھے جاتے ہیں۔ ان کی اشاعت اور تعداد میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کی خواب گاہوں میں ایسی ہی مخرب اخلاق کتب پائی جاتی ہیں۔

ایک زمانہ تھا کہ جب بچہ چار سال چار ماہ اور چار دن کا ہوتا تو گھر کے بزرگ اس کی رسم بسم اللہ خوانی کراتے تھے۔ سن شعور سے ہی بچے کو دینی کتب کے مطالعہ کی ترغیب دی جاتی تھی عمر میں اضافہ کے ساتھ ساتھ کریما، گلستان، بوستان، پند نامہ شیخ عطار اور دیگر دینی کتب پڑھائی جاتی تھیں مگر اس دور میں ایسی بلند پایہ اخلاق سنوارنے والی کتابوں کو دقیانوسی کتابوں کی فہرست میں ڈالا جا رہا ہے۔

اسلامی ماحول میں پروردہ نوجوانوں نے اسلامی مملکت کی تخلیق کی۔ ان ہی بلند اخلاق نوجوانوں کی مساعی جمیلہ سے ملک وملت کی تعمیر وترقی ہوئی۔ پھر آہستہ آہستہ غیر صحت مند لٹریچر'' کا زہر آنے والے نوجوانوں کے رگ وریشے میں سرایت کر گیا تو نتیجۃً پاکستان دولخت ہو گیا۔ مشرقی پاکستان کو علیحدہ کرانے میں جتنے بھی عوامل کار فرما تھے ان میں سب سے بڑا سبب وہاں کے پرائمری مدارس میں اسی فیصد سے زائد ہندو مدرسین کی تقرریاں تھیں اور ہندوانہ ذہنیت کے زیر اثر تربیت یافتہ مسلمان بچے جب نوجوان ہوئے تو وہ اسلامی اقدار سے یکسر باغی ہو چکے تھے وہ مسلمانوں سے متنفر ہو چکے تھے۔ جن کے نتیجہ میں ''سقوط ڈھاکہ'' جیسا المناک حادثہ ہوا۔

ہندو اور یہودی، سابقہ تجربہ کی روشنی میں، یہ میٹھا زہر اب بھی فحش لٹریچر کی صورت میں بچے کھچے پاکستان میں نہایت عیاری سے پھیلا رہے ہیں۔ ہم ارباب اختیار سے دردمندانہ اپیل کرتے ہیں کہ مخرب اخلاق لٹریچر کو روکنے کا فوری اور موثر بندوبست فرمایا جائے، ورنہ اس کے نتائج نہایت خطرناک اور بھیانک نکلیں گے۔ پرائمری سطح سے لیکر یونیورسٹی سطح تک کے اساتذہ کے کردار واعمال کا جائزہ لینا چاہیے۔ جو اساتذہ نظریہء پاکستان اور اسلامی اصولوں کے منافی سرگرمیوں میں ملوث پائے جائیں انہیں درس وتدریس کے فرائض سے فوری طور پر سبکدوش کر دیا جائے کیونکہ ملک کی بقا وترقی وخوشحالی کا راز اسی بات میں مضمر ہے کہ دین دار، نیک سیرت اور اسلام کے شیدائی اساتذہ کرام کی تقرری عمل میں لائی جائے۔ انہی سے تربیت حاصل کرنے والے نوجوان اپنے وطن کی عزت وناموس کی خاطر اپنی جانیں تک قربان کرنے سے دریغ نہیں کریں گے اور پھر اندرونی اور بیرونی سازشوں کا مردانہ وار

مقابلہ کرنے والے بھی یہی نوجوان ہوں گے۔

قوم کے نونہالوں کی اسلامی نظریات کے مطابق تعلیم وتربیت کرنے والے اساتذہ کرام کو معاشرے میں جائز مقام دینا چاہیے۔انہیں غم روزگار سے نجات دلانی چاہیےان کی ہر لحاظ سے حوصلہ افزائی کرنی چاہیے تا کہ وہ پورے اطمینان اور دلجمعی سے درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔ والدین کو ایسے اساتذہ کرام کی عزت افزائی کرنی چاہیے پھر دیکھیں کس قدر باکمال اور باصلاحیت نوجوان پیدا ہوتے ہیں۔شاہان سلف ہمیشہ اپنے بچوں کو صحیح تعلیم وتربیت دلوانے کے لیے نہایت قابل، لائق اور دین دار اتالیق کی خدمات حاصل کرتے تھے۔خاندان مغلیہ کا درویش صفت شہزادہ اورنگزیب عالمگیر تاریخ میں راسخ العقیدہ مسلمان بادشاہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ شہزادے کو بچپن میں جو اتالیق ملا وہ ایک نہایت نیک اور پاکیزہ صفت درویش تھا۔جب شہزادہ چار سال چار ماہ اور چار دن کا ہوا تو شاہجہان نے بعد از تلاش بسیار جناب ملا عبداللطیف سلطان پوری (ریاست کپورتھلہ) کو شہزادے کا اتالیق مقرر کیا اور دارالحکومت دہلی طلب فرمایا۔ جناب ملا صاحب نے جواب دیا کہ ”تشنہ نزد چاہ مے رود نہ چاہ بہ نزد تشنہ“یعنی پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے نہ کہ کنواں پیاسے کے پاس۔شاہجہان استاد کا مرتبہ پہچان گیا اور شہزاد کو سلطان پور بھجوادیا۔ شہزادے کے لیے کوئی علیحدہ انتظام نہیں تھا۔ایک دن شہزادہ سبق نہ سنا سکا جناب ملا صاحب نے زور سے طمانچہ جڑا تو شہزادے کی نکسیر پھوٹ نکلی۔ڈائری نویس نے خون آلود اوراق شاہی محلات میں پہنچادیے۔بیگمات اور ہمشیرگان تڑپ اٹھیں اور ملا صاحب کو سزا دینے کے لیے شاہجہان پر زور دیا۔بادشاہ نے سزا کا حکم نامہ یوں لکھا:

"بعوض طمانچہ زدن ہزار بیگھہ زمین از رقبہ سلطان پور بنام ملا عبداللطیف تفویض مے نمودیم"

یعنی ہزار بیگھہ زمین کا رقبہ موضع سلطان پور کے رقبہ سے جناب ملا صاحب کے نام ہم نے ایک طمانچے کے عوض لگا دیا ہے۔

جناب ملا صاحب کی بے نیازی ملاحظہ ہو کہ اس حکم نامے پر یہ شعر لکھ کر واپس کر دیا

شاہ مارا دیہ دہد منت نہد

رازق ما رزق بے منت دہد

(بادشاہ مجھے جاگیر دے کر احسان جتا رہا ہے حالانکہ میرا مولا مجھے بے طلب رزق دے رہا ہے) بالآخر بادشاہ کو وہ اراضی درس کے نام لگانا پڑی۔ اس واقعہ سے اپنی اپنی جگہ پر باپ اور استاد کے اعلیٰ کردار کا نمونہ ملتا ہے اے کاش! آج کے والدین اور اساتذہ کرام بھی ایسی ہی روایات کو اپنائیں۔

مناسب ہوگا اگر یہاں والدین کی ذمہ داریوں کے متعلق قرآن مجید کے حوالے سے کچھ عرض کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ قرآن حکیم میں فرماتا ہے:

یا یھا الذین آمنوا قوانفسکم و اھلیکم نارا و قودھا الناس و الحجارۃ علیھا ملئکۃ غلاظ شداد لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یوئمرون. ترجمہ:

"اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تند خو اور سخت مزاج ہیں۔ نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً تعمیل بجا لاتے ہیں جو ارشاد انہیں فرمایا جاتا ہے"۔

اہل ایمان کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو آتش جہنم سے بچائیں لیکن ان کی ذمہ داری اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ اپنے اہل و عیال کو بھی عذاب دوزخ سے بچانے کی پوری کوشش کرنا ان پر لازم ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمرؓ نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم! آپ کو تو دوزخ سے بچانے کا مفہوم سمجھ میں آ گیا ہم اپنے اہل و عیال کو دوزخ سے کیسے بچا سکتے ہیں۔ فرمایا تم اس طرح ان کو بچا سکتے ہو کہ جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں روکا ہے تم اپنے اہل و عیال کو بھی ان سے روکو اور جن کاموں کو بجا لانے کا اس نے حکم دیا ہے تم انہیں حکم دو کہ وہ بھی بجا لائیں۔

لہٰذا ہر شخص پر فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو، اپنی اولاد، اپنی بیوی اور اپنے خدام کو عذاب سے بچانے کی کوشش کرے۔ اپنی اولاد اور اہل خانہ کو دین کی تعلیم دیں اچھی باتیں سکھائیں اور پاکیزہ ادب و ہنر کی تعلیم دیں۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے

"باپ پر اولاد کا حق یہ ہے کہ جب وہ پیدا ہوں تو ان کے لیے عمدہ نام تجویز کرے، جب وہ بڑے ہوں تو انہیں تعلیم دے اور جب وہ بالغ ہوں تو ان کی شادی کرے"۔

پھر فرمایا "کسی باپ نے اپنے بچے کو حسن ادب سے بہتر تحفہ کوئی نہیں دیا"۔

نہایت ضروری ہے کہ دینی تعلیم اور عملی تربیت کا آغاز بچپن سے ہی ہو۔ اوائل عمر میں جو سبق دیا جاتا ہے، پوری زندگی وہ یاد رہتا ہے۔ جس کام کی عادت بچپن میں پڑ جاتی ہے وہ اس کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ جو والدین بچپن میں اپنے بچوں کو اطاعت خداوندی کی طرف راغب نہیں کرتے ان کی اولاد عموماً راہ حق سے بھٹک

جایا کرتی ہے اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو حکم دیا کہ جب تمہارے بچے سات سال کے ہو جائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو انہیں مار کر نماز پڑھاؤ اور اسی عمر میں ان کی خواب گاہیں جدا کر دو۔ کاش ہم اس فرمان خداوندی اور ان ارشادات نبوی ﷺ کی روشنی میں اپنی اولاد کی طرف توجہ دیں تو ہمیں اپنے بچوں اور بچیوں سے بے راہ روی اور آوارہ مزاجی کا شکوہ نہ رہے۔ موجودہ دور میں مخرب اخلاق پروگرام کا عام زور ہے اس وجہ سے ماں باپ کی ذمہ داریاں دو چند ہو گئی ہیں کہ وہ اپنی اولاد کی سخت نگرانی کریں اور اس سے بھی اہم یہ بات ہے کہ اپنے حسن عمل اور اچھے نمونے سے ان کے دلوں میں نیکیوں اور بھلائیوں سے ایک والہانہ محبت پیدا کریں۔ اگر ہماری بے حسی کے باعث لادینی کی بپھری ہوئی موجوں نے ہمارے گھر کا مورچہ سر کر لیا تو پھر آنے والی نسلوں کا خدا ہی حافظ ہے۔

اگر آپ اپنے بچوں کے کردار کا تحفظ کرنا چاہتے ہیں تو انہیں ایسی کتابیں پڑھنے کو دیجیے جن میں اخلاقیات کی تعلیم دی گئی ہو، جن میں بزرگان دین کے اسوہ حسنہ کا ذکر ہو، جن میں معاشرے کی اصلاح کے نسخے درج ہوں، جن میں اسلامی نظریہ حیات کے درس دیے گئے ہوں۔ اگر اس قسم کے صحت مند لٹریچر کو فروغ دیا گیا، تو فحش لٹریچر کی مانگ خود بخود ختم ہو جائے گی۔

اعلیٰ حضرت، شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوریؒ

ابو صمصام نقشبندی

ایک مرتبہ دریائے راوی میں طغیانی آگئی۔ دریائے راوی میں جب بھی طغیانی آتی، شرقپور شریف بھی زد میں آجاتا۔ فصلیں، مویشی، انسان گھر سبھی متاثر ہوتے۔

شرقپور لاہور سے مغرب کی جانب بتیس کلومیٹر کے فاصلے پر ایک چھوٹا سا شہر ہے۔ چاروں طرف سبزے کی سرحدیں اس سے ملتی ہیں اور اردگرد میں کچی پکی سڑکوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ چار سو برس پہلے ایک درویش صفت زمیندار حافظ جمال الدین نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی۔

سو ہوا یہ کہ اس بار جب طغیانی آئی اور تمام تدبیریں ناکام ہوگئیں تو شرقپور شریف کے لوگ قریب کے ایک قصبے کوٹلہ پنجو بیگ پہنچے۔ وہاں ان دنوں ایک نامی گرامی فقیر رہا کرتے تھے۔ زہد و تقویٰ، علم و فضل اور جلال و کمال کے سبب دور دور تک آپؒ کا چرچا تھا۔ سفید داڑھی، سرخ و سفید رنگ، اونچا قد آنکھوں میں ایک خاص چمک اور

روشن چہرہ۔ یہ بابا امیر الدینؒ تھے۔ لوگوں نے ان کے پاس جا کر دہائی دی کہ "بابا! شرقپور سیلاب کی زد میں ہے ہم ہر تدبیر کر کے دیکھ چکے ہیں، اب دعا کے سوا کوئی چارہ نہیں"۔

یہ زیادہ عرصے کی بات نہیں ہے۔۔۔۔متعدد تذکروں میں مرقوم ہے کہ بابا امیر الدینؒ نے سوالیوں کو اپنا رومال دیا اور ہدایت کی کہ "لوگو! جاؤ دریا کو یہ رومال دکھا کے اس کو میرا اسلام کہنا"۔ سوالی مطمئن نہیں ہوئے لیکن بابا نے خاموشی اختیار کر لی۔۔۔۔آخر لوگ امید وبیم کے عالم میں رات کے وقت شرقپور واپس پہنچے۔ دریا ٹھاٹھیں مار رہا تھا اور شہر کے گرد مسلسل اپنا گھیرا تنگ کرتا جا رہا تھا۔ لوگوں نے بابا کی ہدایت پر بعینہٖ عمل کیا اور اپنے اپنے گھر جا کر عبادت میں مشغول ہو گئے۔ دوسری صبح دریا شرقپور سے تین کلومیٹر پرے ہٹ گیا اور مکان ومکین دونوں ناگہانی بلا سے محفوظ ہو گئے۔

شرقپور بہت سے بزرگوں کی آرام گاہ رہا ہے۔ بزرگوں سے شہر کے باسیوں کی نسبت نئی نہیں تھی۔ انہیں ان خاک بسر گوشہ نشینوں کا مرتبہ پہچاننا آتا تھا۔ سیلاب کے کچھ عرصہ بعد ایک دن انہوں نے رومال والے بابا امیر الدینؒ کو شرقپور میں دیکھا۔ شہر کے لوگ سمٹ سمٹا کے ان کے گرد جمع ہو گئے اور تعظیم واحترام سے دعا کے طالب ہوئے۔ ہر شخص ان کی دلجوئی اور خوشنودی کے لیے مضطرب نظر آتا تھا۔ کسی نے جرات کی اور کہا کہ "حضرت! غلاموں کو کسی خدمت کا موقع دیجیے"۔ بابا مسکراتے ہوئے ایک جانب چل دیے۔ شرقپور اس زمانے میں ایک قلعہ نما بستی تھی۔ کچے پکے مکانات اور تنگ گلیاں۔۔۔۔بابا بڑھتے جا رہے تھے ان کے پیچھے پیچھے ایک ہجوم سر جھکائے چل رہا تھا۔ ایک تنگ گلی میں پہنچ کر ایک مکان کے پاس بابا امیر الدینؒ ٹھہر گئے اور لمبی لمبی

سانسیں کھینچنے لگے۔ لوگوں کو بہت جستجو ہوئی لیکن کچھ سوچ کے خاموش رہے۔

اس کے بعد شرقپور آنا بابا کا معمول ہو گیا۔ وہ جب بھی آتے، مختلف گلیوں سے ہوتے ہوئے اس مکان تک پہنچتے اور گہری گہری سانسیں لینے لگتے۔ ایک دن کسی نے آگے بڑھ کے پوچھ ہی لیا "بابا! تم کیا سونگھتے ہو یہاں؟" بابا امیر الدینؒ بے نیازی سے جواب دیا "جا اپنی راہ لے"۔

پھر وہ مضطرب انداز میں بولے "خوشبو آتی ہے پر خود نہیں آتے"۔ آس پاس کھڑے ہوئے لوگوں میں سے کسی نے لب کشائی کی "بابا! کیا کوئی خوشبو آتی ہے جو اتنی لمبی لمبی سانسیں کھینچتے ہو تم ۔۔۔؟" بابا مسکرائے "ہاں بیلیو خوشبو تو آتی ہے پر اب انہیں بھی آ جانا چاہیے لوگ پوچھتے۔ بابا! کسے؟" بابا سوال کرنے والوں کو اضطراری نظروں سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ جاتے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی ناکام ہوئے ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ برطانوی حکومت مسلمان باغیوں کی تلاش میں پنجاب کا گاؤں گاؤں چھان رہی تھی۔ چھاپے پر چھاپے پڑ رہے تھے۔ نفسا نفسی کا دور دورہ تھا۔ آدمی، آدمی سے ڈرتا تھا۔ کچھ حجت پسند لوگ شرقپور میں بابا امیر الدینؒ کی معنی خیز آمد کو نئے نئے رنگ دینے لگے تھے۔ بعض لوگوں نے ڈھکے چھپے لفظوں میں اس شک کا اظہار کیا کہ کہیں یہ شخص درویش کے لبادے میں فرنگیوں کا کوئی کارندہ نہ ہو اور یہاں باغیوں کی تلاش میں نہ آتا ہو۔ ۔۔۔ ان چند وہمیوں کے سوا تقریباً سارا شہر بابا امیر الدینؒ کو قدر و منزلت کی نگاہ ہی سے دیکھتا تھا۔ اسی دوران کا ذکر ہے ۔۔۔ ۱۸۶۳ء کی ایک رات تھی۔ لوگوں نے بابا امیر الدینؒ کو پھر شرقپور میں دیکھا ۔۔۔ آج بابا درمیان میں کہیں نہ ٹھہرے۔ انہوں

نے سیدھے اسی مکان پر جا کر دم لیا جہاں سے انہیں خوشبو آتی تھی۔ آج ان کا عالم ہی کچھ اور تھا۔ لوگوں نے انہیں اس عالم میں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ آج نہ انہوں نے لمبی لمبی سانسیں کھینچیں، نہ کسی تردد و تجسس کا اظہار کیا جو یہاں آ کر ان پر طاری ہو جاتا تھا ۔۔۔ لوگوں نے بابا سے تبدیلی کا سبب پوچھا۔ بابا نے بے ساختہ اس مکان کی طرف اشارہ کیا اور والہانہ انداز میں بولے۔ ''دیکھا وہ آ گئے۔ آخر آ ہی گئے ہیں'' ۔۔۔۔۔ متحیر لوگوں نے سوال کیا ''کون آ گئے بابا ۔۔۔؟ ۔۔۔'' بابا نے خندہ لبی سے جواب دیا ''میاں عزیز الدینؒ سے پوچھو جا کے'' لوگوں نے بے تابانہ بڑھ کے دروازے پر دستک دی۔ پتا چلا کہ آج اس گھر میں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ لوگ مڑے مگر بابا جا چکے تھے۔ شہریوں کی نظر میں میاں عزیز الدینؒ کے گھر کی وقعت اور بڑھ گئی۔ ہر چند کہ پہلے بھی یہ گھرا اپنے مکینوں کی پرہیز گاری کے باعث بستی کے ایک ممتاز گھر کی حیثیت سے پہچانا جاتا تھا۔ علم و بصیرت کے اعتبار سے بستی میں اس گھرانے کا رتبہ کم نہیں تھا۔ میاں عزیز الدینؒ کے اجداد افغانستان سے ہندوستان آئے تھے۔ پہلے وہ دیپال پور میں مقیم ہوئے پھر زمانے کے انقلاب نے خاندان کے بعض بزرگوں کو شہر قصور میں پناہ لینے پر مجبور کیا علم و ہنر کے سبب شہر کے رؤسا ان کے حلقہ بگوش ہو گئے اور انہیں مخدوم کے لقب سے یاد کرنے لگے۔ دین کی تدریس و تبلیغ کے سوا اس خاندان کا کوئی مشغلہ نہیں تھا۔ وہ محنت و مشقت کی روزی پر یقین رکھتے تھے اس لیے اپنی کتابوں اور قرآن کریم کی کتابت کرتے تھے۔ قرآن کا حفظ اس خاندان کی روایت تھی۔ حالات کچھ معمول پر آئے تو ان میں سے چند بزرگ دیپال پور واپس چلے گئے مگر دو خاندانوں کو قصور کی آب و ہوا اور اس کے لوگ ایسے پسند آئے کہ وہ وہیں کے ہو کے رہ گئے۔

میاں عزیز الدینؒ کے نانا مولوی غلام رسولؒ کو قصور کے باشندے بے حد عزیز رکھتے تھے۔ مولوی غلام رسولؒ تپاک، انکسار، دیانت اور زہد وتقوی میں ایک مثال بن چکے تھے۔ وہ حافظ ہونے کے علاوہ خطاط بھی تھے۔ لوگ دینی وسماجی مسائل کے حل کی خاطر انہی سے رجوع کرتے تھے۔

اس دور کا قصور آج کے قصور سے بہت مختلف تھا اس وقت شہر کا ستارہ عروج پر تھا اور پنجاب کے خوشحال علاقوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ دور دور کے صاحبان کمال اور اہل ہنر یہاں جمع ہو گئے تھے۔ نیز یہ شہر ایک تجارتی مرکز بھی تھا۔ پھر نجانے کیا ہوا۔ قصور کو کسی کی نظر لگ گئی۔ یہاں کے حاکم نواب نظام الدین خاں کی مہاراجہ رنجیت سنگھ سے رنجش ہو گئی۔ رنجیت سنگھ کی یورش کے سبب تقریباً سبھی کچھ تباہ و برباد ہو کے رہ گیا تاہم ہر کے لوگ یہ افتاد سہ گئے۔ قصور میں پھر سے عمارتیں اٹھنے لگیں پھر دوسرے یا تیسرے ہی سال شہر کے دوسرے حاکم نواب قطب الدین کے عہد میں رنجیت سنگھ نے دوبارہ فوج کشی کی۔ وہ ریاست کو غصب کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ لوگوں نے اس بار بھی شہر کی حفاظت کے لیے زبردست جنگ کی لیکن دو ماہ کے محاصرے میں غلے کا ذخیرہ ختم ہو گیا اور ایسا قحط پڑا کہ لوگ دانے دانے کو ترسنے لگے۔ مویشیوں پر گزارا ہونے لگا۔ مویشیوں کے بعد سواری کے گھوڑوں کی باری آئی لوگوں نے انہی سے پیٹ بھرا۔ آخر یہ ذخیرہ بھی ختم ہو گیا۔ مرتا کیا نہ کرتا۔ لوگ شہر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ میاں غلام رسولؒ بھی قصور کے ایک قصبے حجرہ شاہ مقیم چلے گئے اور خوشنویسی کا مشغلہ اختیار کر کے جیسے تیسے زندگی بسر کرنے لگے مگر کچھ عرصے بعد انہیں وہاں سے بھی ہجرت کرنی پڑی تا آنکہ انہوں نے شرقپور آ کے پناہ لی۔ شرقپور نے خانماں بربادوں کے لیے اپنے

دروازے کھول رکھے تھے۔ مولوی غلام رسولؒ نے وہیں اپنا مسکن بنایا اور ایک مسجد اور ایک مدرسے کی بنیاد رکھی۔ ہر عزم کو ایک یقین لازم ہے۔ یقین کے آگے کوئی دیوار نہیں ٹھہرتی۔ اس کچی پکی درس گاہ نے دیکھتے ہی دیکھتے ایک بڑی علمی خانقاہ کی صورت اختیار کر لی۔ مولوی غلام رسولؒ کے ایک بھتیجے تھے حافظ غلام حسینؒ۔ ان سے میاں صاحبؒ نے اپنی اکلوتی لڑکی آمنہ کی شادی کر دی تھی۔ انہی کے بطن سے میاں عزیز الدینؒ تولد ہوئے۔

تقویٰ کسی کو ورثے میں نہیں ملتا۔ البتہ عبادت و ریاضت کا ماحول میاں عزیز الدینؒ کو ورثے میں ملا تھا اور انہوں نے بہ تمام و کمال اپنے اجداد کی پیروی کی تھی۔ وہ ایک شب بیدار بزرگ تھے باطنی علوم کے علاوہ ظاہری علوم سے بھی پیراستہ۔ دنیوی امور میں گھرے رہنے کے باوجود دنیا سے بچے بچے رہتے تھے۔ ضلع حصار کے محکمہ ویکسی نیشن سے وہ ایک مدت تک وابستہ رہے۔ تعطیلات میں وہ اپنے گھر شرقپور میں آیے تھے نوکروں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلانا ان کا معمول تھا۔ اپنے کپڑے وہ خود دھوتے تھے بلکہ بسا اوقات نوکروں کے کپڑے بھی دھو دیتے تھے۔ ان کے محکمے میں رشوت ستانی عام تھی لیکن انہوں نے ساری عمر سوکھی تنخواہ پر بسر کی۔ جو خوشبو شرقپور کی ایک گلی میں آ کے بابا امیر الدینؒ سونگھتے تھے، وہ میاں عزیز الدینؒ کے ہاں ایک فرزند کی صورت میں مجسم ہوئی۔ ولادت کی تاریخ کہیں درج نہیں۔ لیکن ۱۸۶۳ء سے کسی محقق کو اختلاف نہیں ہے۔ والدہ آمنہ نے اپنی خاندانی روایت کے مطابق نومولود کی تربیت کا بیڑا اٹھایا۔ ساتویں روز لڑکے کا نام شیر محمد رکھا گیا۔

بابا امیر الدینؒ تو اشارہ کر کے چلے گئے لیکن اشاروں سے کیا ہوتا ہے۔ میاں

عزیزالدینؒ کے لیے ان کا بیٹا ایک بیٹا ہی تھا اور محلے داروں کے لیے دوسرے بچوں جیسا ایک بچہ۔ میاں غلام رسولؒ خاندان کے سب سے معمر بزرگ تھے۔ انہوں نے آپؒ کا چہرہ دیکھتے ہی آپؒ کے منہ میں اپنی زبان ڈال دی۔ شیر خوار دیر تک ان کی زبان چوستے رہے۔ اس طرح ورثہ منتقل ہو گیا۔ میاں غلام رسولؒ کو آپؒ کے نانا کے علاوہ دادا کی حیثیت بھی حاصل تھی وہ انہیں ایک پل کے لیے بھی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے تھے اور کمسنی ہی میں علم و حکمت کے رموز سمجھانے کی کوشش کرتے۔ آپؒ پلکیں پٹ پٹاتے اور مسکراتے ہوئے سنتے رہتے۔ آپؒ میں سادگی و معصومیت کے ساتھ ساتھ بعض مجنونانہ ادائیں بھی تھیں جو نانا کو دیوانہ کر دیتی تھیں۔ ان کا بس نہ چلتا تھا کہ آپؒ کو ہمہ وقت سینے سے لگائے رکھیں۔ کندھوں پر اٹھائے رکھیں لیکن نواسے اور نانا کی یہ رفاقت زیادہ دیر قائم نہ رہ سکی۔ میاں غلام رسولؒ کا بلاوا آ گیا۔ نانا کو نواسے سے رخصت ہونا پڑا بہر حال ایک سال میں انہوں نے طفل شیر خوارؒ پر جو نقش مرتب کیے تھے وہ ایسے نہیں تھے کہ آسانی سے مٹ جاتے۔ گفتار کی نرمی، تفکر، تحمل، مسکینی اور کم گوئی کے نقوش۔ زندگی کے آخر لمحوں میں میاں غلام رسولؒ نے اپنے دوسرے نواسے یعنی میاں عزیزالدینؒ کے بھائی حمیدالدینؒ کو وصیت کی تھی کہ "دیکھ حمید! ہم شیر محمد کو تیرے حوالے کر رہے ہیں جو کچھ تجھے آتا ہے وہ اسے سونپ دے اور جو کچھ نہیں آتا اس کے لیے بھی رہنمائی کر۔ ہماری دعائیں تیرے ساتھ ہیں۔" حافظ حمیدالدینؒ نقلی و عقلی علوم میں غیر معمولی دسترس رکھتے تھے۔ ان کا شمار عربی و فارسی کے اساتذہ میں ہوتا تھا۔ آپؒ ان کے بھتیجے بھی تھے اور نانا کے حکم کی تعمیل بھی فرض تھی۔

آپؒ جیسے ہی چلنے پھرنے کے قابل ہوئے قرآنی آیات سے آپؒ کی تعلیمات کا

آغاز کیا گیا آپؒ نے پہلا قاعدہ بہت جلد از بر کرلیا تھا۔ ماں اور چچا کی نگرانی میں آپؒ نے گھر میں ناظرہ قرآن ختم کرلیا۔ وہ حروف شناس ہو گئے تھے۔ چچا نے آپؒ کو شرقپور کے سکول میں داخل کرا دیا۔ اسکول کی فضا آپؒ کے لئے نئی تھی۔ نئی سب کے لئے ہوتی ہے لیکن اپنی اپنی افتادِ طبع کی بات ہے۔ ماں باپ اور چچا کی خواہش پر آپؒ پابندی سے اسکول چلے تو جاتے تھے مگر وہاں آپؒ کا جی نہیں لگتا تھا۔ چچا آپؒ کی بے دلی پر ہراساں ہو گئے آپؒ کے بارے میں آپؒ کے اساتذہ بتاتے تھے کہ آپؒ جماعت میں گم بیٹھے رہتے ہیں۔ آپؒ کا عجب عالم تھا۔ چھٹی کی گھنٹی بجتی تو سب بچے کھیل کود میں مشغول ہو جاتے لیکن آپؒ مسجد کا رخ کرتے اور وہاں جا کر سر جھکائے تنہا بیٹھے رہتے۔

بہر صورت کسی نہ کسی طرح مدرسے سے آپؒ نے پانچویں جماعت پاس کرلی چچا کو احساس ہو گیا کہ مدرسہ آپؒ کے لیے مناسب نہیں ہے انہوں نے آپؒ کو مستقل طور پر نگاہوں کے سامنے رکھنا شروع کر دیا اور فارسی کی درسی کتب سے ابتداء کی۔ دادا حافظ محمد حسینؒ نے بھی توجہ کی اور قرآن کا آموختہ کرایا۔ آپؒ کا یہ حال تھا کہ جب سیپارہ پڑھنے کو دیا جاتا تو آپؒ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے۔ سیپارہ بھیگ بھیگ کر چند روز میں خستہ ہو جاتا۔ دادا آپ کی اشک فشانی کا سبب پوچھتے تو آپؒ کا جواب سکوت کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ دادا اور چچا کی درخواست پر شہر کے ایک عالم حکیم شیر علی نے بھی آپؒ کو کتابوں کی طرف راغب کرنے کی کوشش کی۔ آپؒ نے اب بھی کتابوں میں کسی دلچسپی کا اظہار نہ کیا۔ ہاں آپ کو خوشنویسی سے ضرور کسی قدر رغبت ہوئی۔ مدرسے ہی میں آپؒ حروف والفاظ کو ایک کہنہ مشق خطاط کی طرح نئی نئی شکلیں دینے لگے تھے۔ آپ نے مختلف خطوں میں قرآن پاک لکھنے کی مشق کی۔ آپؒ کی مکتوبہ بیاضیں اور

قرآنی نسخے دیکھ کر بڑے بڑے کاتب نقاش اور خطاط انگشت بہ لب رہ جاتے تھے۔ کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ کام ایک نومکتب کا کیا ہوا ہے۔

یہ شغف تو تھا ہی۔ آپؒ کو بچپن سے ایک اور شوق بھی تھا۔ آپؒ کو گھوڑے بہت پسند تھے۔ آپؒ کو گھوڑوں اور ان کی سواری کا شوق تھا۔ کبھی طبیعت جولانی پر آتی تو آپؒ گھوڑے پر بیٹھ کر شہر سے میلوں دور نکل جاتے۔ شہر کے لوگ دنگ رہ جاتے کہ اس لڑکے کی تو ابھی مسیں بھی نہیں بھیگی ہیں، یہ کس بے جگری سے ایک قوی الجثہ گھوڑے پر اڑے جا رہا ہے۔ انہی دنوں کا واقعہ ہے۔۔۔ کسی شہر سے ایک بارات شرقپور آ رہی تھی۔ شہر آتے آتے دولہا کی گھوڑی بہت تھک گئی۔ مزاج کی تند تھی۔۔۔ کسی نے چھیڑ دیا تو ایک دم بدک گئی۔ دیکھتے دیکھتے اس نے براتیوں میں کھلبلی مچا دی۔۔۔ کئی جوان ناراض گھوڑی کو منانے کے لیے آگے بڑھے۔۔ لیکن اس کا غیظ وغضب بڑھتا گیا۔۔ جہاں سے برات گذر رہی تھی، وہاں سارے علاقے میں اس شعلہ صفت نے تلاطم سا برپا کر دیا تھا۔ جو بھی قریب آتا۔۔ گھوڑی اس پر جھپٹتی۔ کسی کو اس نے پچھاڑا اور کسی کو ٹاپوں سے روند ڈالا۔ علاقے بھر میں ایک قیامت برپا ہو گئی۔ مجمع میں سے کسی نے کہا "ارے شیر محمدؒ کو بلا کر دیکھو' وہ قریب ہی رہتے ہیں۔ شاید یہ سرکش گھوڑی ان کے قابو میں آ جائے۔ ایک شخص دوڑا دوڑا آپؒ کے گھر پہنچا اور سارا ماجرا سنایا۔ آپؒ فوراً اس کے ساتھ چل پڑے۔ گھوڑی کے اب تک وہی رنگ تھے۔ وہ اسی طرح بپھری ہوئی تھی۔ آپؒ کسی جھجک کے بغیر اس کے سامنے چلے گئے۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ آپؒ کے ہاتھ بڑھانے کی دیر تھی کہ گھوڑی کی لگام آپ کے ہاتھ میں آ گئی۔ دوسرے ہی لمحے آپؒ اس کی گردن سہلا رہے تھے۔ پھر آپؒ نہایت اطمینان سے گھوڑی پر سوار ہو گئے۔

شرقپور کوئی بڑی بستی نہ تھی۔ لہٰذا صرف ایک پہر میں ہر طرف اس واقعے کا چرچا ہو گیا۔ بہت سے لوگ آپؒ سے کھنچے کھنچے رہنے لگے تھے۔ کسی کو آپؒ کی سادگی ڈراتی تھی، کسی کو آپؒ کی خاموشی پراسرار لگتی تھی۔ آپ حضورؒ کی عادتیں ہی نرالی تھیں۔ صبح صبح آپؒ گھر سے غائب ہو جاتے اور تلاش بسیار کے بعد یا تو کسی مسجد میں نظر آتے یا قبرستان میں۔۔۔۔ واپسی پر ماں پوچھتی ''کدھر گئے تھے۔۔؟'' آپ کا ہمیشہ ایک ہی جواب ہوتا وہ یہ کہ کسی سے ملنے گیا تھا۔ آپؒ کی شرم وحیا کے قصے بھی زبان زد خاص وعام ہوتے تھے۔ آپؒ گھر سے نکلتے تو خود کو چادر سے ڈھانپ لیتے یا منہ پر رومال لپیٹ لیتے۔ محلے کی عورتیں پھبتیاں کستیں ''اری دیکھ! وہ کون لڑکی جا رہی ہے''۔ کوئی کہتی ''کیسی اچھی لڑکی پیدا ہوئی ہے اپنے محلے میں۔ شرم وحیا کی پتلی''۔ آپ یہ فقرے سنتے نگاہیں جھکائے خاموشی سے گزر جاتے۔ آپ نے اپنی وضع نہ بدلی۔ آخر عورتوں کو ہی اپنے رویے میں محتاط ہونا پڑا۔ ماں کے کانوں میں یہ باتیں پہنچتیں۔ وہ بہت دل برداشتہ ہوتیں اور بیٹے کو نرم وگرم لہجے میں ٹوکتیں۔ بیٹا تحمل سے سنتا رہتا پھر چند دنوں تک گھر میں چھپا رہتا۔ رفتہ رفتہ دوبارہ آپؒ کی وہی حالت ہو جاتی۔ ایک دن رات کو آپؒ نے ماں سے کہا کہ ''ماں سردی لگ رہی ہے''۔ ماں نے آپ کو لحاف اوڑھا دیا۔۔۔ آپؒ کی سردی کم نہ ہوئی۔۔ ماں نے دوسرا لحاف اوڑھا دیا۔۔ دوسرا لحاف اوڑھنے کے بعد بھی سردی کی شکایت کی تو ماں کو تشویش ہوئی۔۔ اس نے پوچھا۔۔ ''طبیعت تو ٹھیک ہے بیٹا؟ آج یہ تجھے کیا ہو رہا ہے؟'' آپؒ نے معلوم کیا کہ کیا آج گھر میں کوئی مہمان آیا ہے۔ ماں نے کہا ''ہاں! آیا تو ہے'' آپ نے پوچھا ''کیا اسے چارپائی بستر دیا گیا ہے؟'' ماں نے کہا ''ہاں کیوں نہیں'' آپ نے استفسار کیا ''مہمان کے ساتھ کوئی اور تو نہیں

ہے؟'' ماں نے تذبذب سے جواب دیا۔ ''اور تو کوئی نہیں ہے'' پھر وہ جلدی سے بولی ''ہاں اس کے ساتھ اس کا گھوڑا بھی ہے۔ باہر بندھا ہے''۔ بیٹے نے پوچھا ''کیا گھوڑے کو بھی سردی سے بچاؤ کے لیے کچھ کر دیا گیا ہے؟'' ماں نے نفی میں سر ہلا دیا۔۔۔ آپؒ نے کہنے لگے ''ٹھیک ہے اگر اسے سردی نہیں لگ رہی ہوگی تو مجھے بھی نہیں لگے گی''۔ ماں کو بیٹے کی ایسی باتیں ہلا دیتی تھیں۔ وہ ان کا اور خیال رکھنے لگتیں۔

میاں عزیز الدینؒ کو بھی ہر باپ کی طرح فکر ہونے لگی تھی کہ ان کا بیٹا زندگی کے راستے میں اپنی بے نیازی کے سبب بہت پیچھے نہ رہ جائے۔۔۔ وہ حصار میں رہتے تھے لیکن گھر سے دور ہونے کے باوجود بیٹے سے بے خبر نہیں تھے۔ ماں اور چچا خط میں آپؒ کے مشاغل، ہم عمروں سے کنارہ کشی، کتابوں سے بے توجہی اور تنہا نشینی کا حال لکھتے تھے تو میاں عزیز الدینؒ دل گرفتہ ہو جاتے۔ تعطیلات میں گھر آ کے وہ بیٹے کو سمجھاتے لیکن وہ اپنے بس میں کہاں۔ والدین کی تلقین و تاکید کے باوجود ان کی لگن میں شدت آتی گئی۔ میاں عزیز الدینؒ کی تنخواہ چالیس روپے ماہانہ تھی۔ آپؒ کے ذاتی خرچ کے لیے وہ دس روپے الگ بھیجتے تھے تاکہ بیٹے کو کسی بات کی تکلیف نہ ہو اور وہ کسی چیز کے لیے دل تھوڑا نہ کرے۔ مگر بیٹے کو پیسے کی مطلق پروا نہ تھی وہ تو جو کچھ ہاتھ آتا، راہ گیروں، درویشوں اور حاجت مندوں میں لٹا دیتے۔ کوئی پگڑی مانگتا تو پگڑی اُتار کے اسے دے دیتے۔ کوئی کرتا مانگتا تو کرتا اس کے حوالے کر دیتے۔۔۔ کھانا وہ کبھی اکیلے نہ کھاتے۔ دس روپے کی رقم اس زمانے میں خاصی بڑی رقم تھی پھر بھی آپؒ کے لیے ناکافی ہوتی۔ سینے کی کشادگی کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہاتھ تنگ ہو گیا۔ آپؒ بازار سے قرض لے کر حاجت مندوں کی ضرورت پوری کرنے لگے۔ گو میاں عزیز الدین شر قپور آ کے بیٹے کا

سارا قرض اتار دیتے تھے لیکن صاحبزادے کی یہ روش انہیں گوارا نہ تھی۔ آپ کے جنون کے تذکرے شہر میں کم نہ تھے وہ کسی سے ملتے جلتے نہیں تھے۔ اس کے باوجود طویل وقفوں کے لیے گھر سے غائب ہو جاتے۔ کھڑے کھڑے کہیں گم ہو جاتے۔ بیٹھے بیٹھے خیالات میں ڈوب جاتے یا پھر خطاطی شروع کر دیتے یا گھوڑے پر سوار ہو کر شرقپور سے دور نکل جاتے اور ویرانوں میں بھٹکتے پھرتے۔ کبھی کسی درخت کے نیچے بیٹھے ملتے۔ کبھی کڑی دھوپ میں مستغرق دکھائی دیتے۔ کسی مسجد میں سجدہ ریز یا قبرستان میں قبروں کے درمیان اشک فشاں۔ میاں عزیز الدین ؒ کو شبہ ہونے لگا کہ ان کے بیٹے کی دماغی حالت درست نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے بھائی حافظ حمید الدین ؒ سے تذکرہ کیا اور کہا کہ کیا تدبیر کی جائے سمجھ میں نہیں آتا۔ حافظ حمید الدین ؒ خود بھتیجے کو باولا کہتے تھے، وہ کیا جواب دیتے۔ ماں ہر وقت دعا کرتی رہتی تھی اور تو اور آپ گھر کی چیزیں بھی لے جا کر لٹانے لگے تھے۔

ایک بار میاں عزیز الدین بہت ناراض ہوئے، آپ ؒ دل برداشتہ ہو گئے اور خوشنویسی کی ملازمت کے لیے لاہور چلے گئے۔ وہ لاہور میں مسجد طلائی کے قریب گزر رہے تھے کہ اچانک کسی نے ٹوکا کہ "بے خبر! خدا کی کارسازی بھول گیا ہے" آپ ؒ پر بہت اثر ہوا اور وہیں سے گھر کی طرف واپس ہو گئے۔

حصار میں میاں عزیز الدین ؒ کے شب و روز اضطراب میں گزر رہے تھے۔ نہ گھر سے آنے والے خطوں میں تسلی کی کوئی بات ہوتی تھی نہ شرقپور کے مسافر اطمینان کی باتیں بتاتے تھے۔ عزت کی ملازمت تھی اور تنخواہ نہایت معقول لیکن کوئی اور ذریعہ آمدنی نہیں تھا ورنہ بیٹے کی خاطر وہ ملازمت ترک کر کے شرقپور آ جاتے۔ ویسے انہیں

اطمینان تھا کہ گھر میں سبھی موجود ہیں۔آپؒ کے چچا، ماں اور دیگر اعزہ۔

ایک روز میاں عزیزالدینؒ کی ایک بزرگ سے سر راہ ملاقات ہوئی ۔۔بزرگ نے حال پوچھا۔میاں صاحبؒ نے کہا ''خیر ہے''۔بزرگ نے پوچھا ''پھر چہرے پر یہ غبار سا کیوں ہے؟'' میاں صاحبؒ نے جواب دیا کہ بیٹے کی طرف سے طبیعت مکدر ہے۔بزرگ ہنسنے لگے بولے ''کیا بیٹا بستی والوں کو ستاتا ہے؟'' میاں عزیزالدین نے سنبھل کر جواب دیا ''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے'' بزرگ نے دریافت کیا ''کیا کسی نے اس کی شکایت کی ہے؟'' میاں عزیزالدین نے تردید کی ''جی نہیں! اس نے کبھی کسی کو کوئی تکلیف نہیں پہنچائی وہ تو دوسروں کے کام آتا ہے''۔بزرگ نے کہا ''پھر کیا تردد ہے؟'' میاں عزیزالدین اداسی سے بولے ''اسے اپنی کوئی پروانہیں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کسی کام کا نہ رہے۔اپنے آپ کو ضائع نہ کردے۔خلق خدا کے کام آنا بے شک ایک مستحسن وظیفہ ہے مگر آدمی کے سامنے اپنی زندگی بھی تو ہوتی ہے۔آدمی کو اپنا بھی تو خیال رکھنا چاہیے۔حسن و خیر اعتدال ہی میں مضمر ہے۔اعتدال ہی راستی ہے''۔بزرگ نے تاسف کا اظہار کیا اور بولے ''عزیز میاں حیرت ہے تم نے اسے نہیں پہچانا۔اس قدر آزردہ کیوں ہوتے ہو؟ اپنے کام سے کام رکھو، اسے اس کا کام کرنے دو اگر کوئی اپنی نفی پر مصر ہے مگر خلق خدا کے لیے سر بہ سر اثبات ہے تو تم کیوں اس کے آڑے آتے ہو۔ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے۔ذرا حوصلے سے کام لو''۔بزرگ کے لہجے میں ایسا وثوق تھا کہ میاں عزیزالدینؒ نے اپنے دل سے بوجھ اترتا محسوس کیا۔ انہوں نے بزرگ سے وعدہ کیا کہ اب وہ اپنے بیٹے کو کبھی نہیں ٹوکیں گے۔

آپ کو اسم ذات سے جنون کی حد تک عشق ہو گیا تھا۔رات ہوتے ہی وہ مسجد

کی چھت پر چڑھ جاتے اور اسم ذات کا ورد شروع کر دیتے۔ آپؒ کو کچھ ہوش نہ رہتا کہ آپؒ کی آہ وفغاں کہاں کہاں تک پہنچ رہی ہے۔ شروع شروع میں مسجد کے اطراف کے لوگ آپؒ کی اس دیوانگی پہ چیں بہ جبیں ہوے۔ لیکن آپؒ کے نالے میں ایسا سوز تھا کہ سینے میں ترازو ہو جاتا تھا۔ لوگ رفتہ رفتہ عادی ہو گئے ۔ کسی رات مسجد سے یہ صدائیں بلند نہ ہوتیں تو انہیں بے کلی ہونے لگتی۔ آپؒ کو اسم ذات کا ورد کبھی کبھی اتنا بے خود کر دیتا کہ آپؒ سیڑھیاں پھلانگتے نعرہ لگاتے گلیوں میں نکل جاتے اور اندھیرے میں گم ہو جاتے ۔۔۔ کبھی ذکر کرتے کرتے وہ چھت سے نیچے آ رہتے ۔ آپؒ کی محویت میں فرق آتا نہ آپؒ کو چوٹ لگتی ۔ نہ آپؒ کا گریہ ختم ہوتا۔ آپؒ کی دن کے وقت بھی یہ حالت ہو جاتی تھی ۔ ہوتے ہوتے وہ وقت بھی آیا کہ رات اور دن کی کوئی قید نہ رہی ۔۔۔ شرقپور کے لوگ دیکھتے آپؒ کا گریبان چاک ہے اور دستار بے ترتیب سی ۔ منہ اٹھائے دیوانہ وار چلے آتے ہیں ۔ چلتے چلتے آپؒ کسی مسجد کے دروازے پر ٹھہر جاتے اور اللہ اللہ پکارنے لگتے ۔ راستے میں کوئی شخص مل جاتا تو آپؒ پوچھتے ''بتا میرا خدا کہاں ہے تجھے کہیں ملا ہے''۔ لوگ حیرانی سے آپؒ کا چہرہ تکتے رہ جاتے ۔ کئی بار آپؒ کو اضطراری کیفیت میں زمین پر تڑپتے اور لوٹتے بھی دیکھا گیا۔ لوگوں نے آپؒ کے معاملات میں دخل دینا بند کر دیا تھا۔ آپؒ کہیں جنگل میں کسی کو پڑے ہوے مل جاتے تو دیکھنے والا کنارہ کر لیتا۔ ایک روز کسی نے دیکھا کہ آپؒ ایک ٹوٹی ہوئی قبر میں پڑے ہیں ۔ پھر کسی روز آپؒ شہر کی گلیوں میں اچھلتے کودتے نظر آتے اور سرمستی میں پکارتے۔ ''من میں ہو گیا کوئی ہور۔ ہن مینوں کون پچھانے گا''۔

آپؒ کی ولادت کے بعد کوٹلہ پنجو بیگ کے بابا امیر الدینؒ گاہے گاہے شرقپور

آتے اور اپنے دیوانے کا نظارہ کر کے لوٹ جاتے۔ آپؒ کے بڑوں سے ان کی اچھی شناسائی ہو گئی تھی یہاں تک کہ وہ آپؒ کے گھر قیام بھی کرنے لگے تھے۔ شرقپور کے لوگوں کا یہ حال تھا کہ جیسے ہی بابا امیر الدینؒ کو دیکھتے آپؒ کی دیوانگی کے چرچے شروع کر دیتے۔ بابا امیر الدینؒ آپؒ کے متعلق ہر بات کامل توجہ سے سنتے، سر ہلاتے رہتے اور جواب میں کہتے "اگر وہ دیوانہ ہے تو ہوا کرے، تمہارا کیا لیتا ہے۔ تم لوگ اس کے راستے میں نہ آیا کرو۔ اس کا راستہ تم سب سے الگ ہے"۔ پھر مسکراتے ہوئے کہتے "اچھا ٹھیک ہے۔ ہم شہزادے سے بات کریں گے"۔

بابا امیر الدینؒ کی آمد سے آپؒ کا چہرہ کھل جاتا۔ لیکن وہ ان کے سامنے جانے کے بجائے ان سے دور دور رہتے۔ بابا امیر الدینؒ چاہتے تھے کہ وہ ان کے پاس آ کے کچھ کہیں کچھ سنیں۔۔۔ وہ ان سے بہت سی باتیں کرنا چاہتے تھے، ان سوالوں کے جواب دینا چاہتے تھے جو آپؒ راہ گیروں سے کرتے تھے۔ مگر آپؒ ہر بار موقع دیکھ کر ان کے سامنے سے اوجھل ہو جاتے۔ شاید اس وجہ سے کہ بابا امیر الدینؒ کے سامنے آپؒ کا ہیجان بڑھ جاتا تھا۔ ان کا ادب بھی مانع ہو گا۔ بابا امیر الدینؒ بھی آپؒ سے زیادہ اصرار نہ کرتے۔ انہیں بھی جیسے کسی مناسب وقت کا انتظار تھا۔ وہ اپنے علاقہ کوٹلہ پنجو بیگ میں ہوتے تو شرقپور سے آنے والے ہر شخص سے سب سے پہلے آپؒ کی خیریت دریافت کرتے اور پوچھتے "کہو ہمارے سجن کا کیا حال ہے؟" آپؒ کی از خود رفتگی کے قصے سن کر ان کی آنکھیں چمکنے لگتیں اور چہرے کی سرخی گہری ہو جاتی۔

آپؒ نے اپنے چچا حافظ حمید الدینؒ کی مسلسل تلقین پر بعض بنیادی کتابیں پڑھ لی تھیں اور فارسی میں مہارت حاصل کر لی تھی۔ عربی کی واقفیت بھی انہیں خاصی ہو

گئی تھی۔لیکن یہ سلسلہ زیادہ دن نہ چل سکا۔آپؒ چچا سے ایسے سوالات کرنے لگتے جن کا جواب نہ کتابوں میں تھا نہ چچا کے امکان میں۔شرقپور کی درسگاہ میں دور دور کے عالم جمع ہوتے تھے۔آپؒ کبھی کبھار ان مجلسوں میں جا بیٹھتے۔۔۔۔عموماً خاموشی سے سنتے رہتے لیکن اچانک کسی دقیق مسئلے پر دخل اندازی کرتے تو سبھی چونک پڑتے۔آپؒ ایک جملے میں بہت سی ناگفتنیاں، گفتنی کر دیتے تھے۔ان کی چھوٹی سی بات کسی بڑی گرہ کشائی کا سبب بن جاتی تھی۔شیر محمدؒ چچا سے کسی مسئلے پر الجھتے نہیں تھے۔بلکہ اکثر یہ ہوتا کہ وہ کوئی سوال اٹھا کے، کوئی مسئلہ چھیڑ کر کھڑے ہو جاتے لوگ دیر تک اسی بات میں الجھے رہتے۔آپؒ کبھی تفصیل میں نہ جاتے تھے۔ان کی باتیں اشارے ہوتی تھیں۔اشاروں اشاروں میں وہ ایسی بلیغ اور نکتہ آفریں بات کہہ دیتے کہ لوگ ان کی صورت دیکھتے رہ جاتے کتابوں کی حیثیت علم کے واسطے اور علم کے امین کی ہے۔مگر علم محض کتابوں کا مرہون منت نہیں۔کہتے ہیں کہ علم کی بنیادی شرط فکر و طلب ہے کتابیں تو سبھی کی دسترس میں ہوتی ہیں پر رسائی کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔کسی کو کم، کسی کو زیادہ۔۔۔ رسائی کا تعلق طلب سے ہے۔جتنی طلب قوی ہوگی، اتنی ہی رسائی بھی ہوگی۔مگر لوگ ایک اور بات پر بھی یقین رکھتے ہیں، وہ یہ کہ طلب کی شرط اپنی جگہ پر مگر عطا بھی تو علم کی ارزانی کا ایک سبب ہے۔کوئی عطا پر آمادہ ہو اور کسی نے کسی کو منتخب کر لیا ہو۔کوئی سخاوت ہی پر آمادہ ہو تو طلب گار کتنا پائے گا۔اسی طرح کوئی شخص بڑی میراث چھوڑ کر چلا جائے یا کوئی کسی کی ایک ادا پر جاگیر بخش دے، عطا کے لیے طلب لازم نہیں۔۔۔جو عطا کی کارفرمائی پر یقین رکھتے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ بے طلب بھی ملتا ہے اور طلب سے زیادہ بھی۔۔۔ویسے بھی طلب کا تعین تو عطا کرنے والا خود کرتا ہے، ہاتھ پھیلانا ہی ضروری

نہیں۔کون جانے کسی کی کون سی ادا عطا کا بہانہ بن جائے۔۔۔طلب کے ہزار تیور ہیں ۔تو عطا کے صد ہزار۔۔۔شدت طلب سے بڑھ کر تو حسن طلب ہے۔آپؒ مجسم طلب تھے یہ کتابیں آپؒ کی طلب کی کس حد تک سفارش کرتیں۔وہ تو بہت سوا چاہتے تھے۔ آپؒ کا مقصود تو کچھ اور تھا، کوئی اور تھا۔

شرقپور کے باشندے اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ آپؒ ان کے درمیان ہوتے ہوئے بھی ان سے جدا کوئی شخص ہیں۔آپؒ کے علم اور انکسار، مروت اور سخاوت، سبھی کے وہ گواہ تھے۔وہ دیکھتے تھے کہ اگر کوئی شخص بوجھ اٹھائے جا رہا ہے تو آپؒ اس کا بوجھ اپنی گردن پر لاد لیتے ہیں، کسی اندھے کی لاٹھی بن جاتے ہیں، گلی کے کتوں میں اپنا کھانا تقسیم کر دیتے ہیں۔آپؒ ان لوگوں کے سامنے پلے بڑھے تھے۔آپؒ پر یہ کیسی جوانی آئی تھی کہ نگاہیں پہلے سے زیادہ جھک گئی تھیں اور گلیوں، بازاروں، پنگھٹ اور چوپالوں کے بجائے آپؒ ویرانوں میں سمٹتے جا رہے تھے۔مسجد، گھر یا بیابان اور ''ہو حق'' کی صدائیں۔

بابا امیر الدینؒ نے کئی بار آپؒ سے اشارۃً کہا تھا کہ وہ کب تک یونہی بے نیل مرام بھٹکتے رہیں گے، انہیں کسی چوکھٹ کا رخ کرنا چاہیے۔ان کا اشارہ مبہم نہیں تھا اور آپؒ نے ان کی بات صمیم قلب سے سن لی تھی۔لیکن جواباً آپؒ نے بابا سے یہ نہیں کہا کہ وہ رہبری کریں۔آپؒ کو بھی معلوم تھا کہ سفر میں کوئی خضر راہ مل جائے تو منزلیں آسان ہو جاتی ہیں۔اس جستجو میں آپؒ کئی آستانوں پر گئے مگر لوٹ آئے۔کہیں آپؒ کی سیری نہیں ہوئی اور آپؒ کے بے قرار دل کو کہیں قرار نہ آیا۔آپؒ نے رہبر کامل کے جو تذکرے اپنے آباؤ اجداد سے سنے تھے اور کتابوں میں پڑھے تھے اور آپ کے ذہن

میں اپنے مرشد کا جو مثالی پیکر تھا وہ آپؒ کو کہیں نظر نہ آتا۔ ہاں بابا امیر الدینؒ کی بات اور تھی۔ وہ زیادہ دور بھی نہیں تھے۔ مگر ان کا قرب ہی تو حجاب بنا ہوا تھا۔ ان کے پاس جاتے ہوئے آپؒ کو جھجک سی ہوتی تھی۔ آپؒ کا یہ ناز بھی خوب تھا کہ کسی دروازے پر دستک دینے کے بجائے آپؒ کا مطلوب خود اسے ڈھونڈتا ہوا آ نکلے۔ بابا امیر الدینؒ نے آپؒ کا ناز پورا کیا اور ایک روز آپ کو اپنا معنوی فرزند بنانے کی خواہش ظاہر کی۔ اس میں کچھ بابا امیر الدینؒ کے روحانی تصرف کا اثر تھا اور کچھ آپؒ کی طلب صادق تھی۔ آخر دونوں طالب و مطلوب ایک روز یکجا ہو گئے۔

آپؒ نے باقاعدہ اپنے مرشد کی بیعت کی۔ اس طرح نقشبندی خانوادے سے آپؒ کی گرہ بندھ گئی۔ نقشبندی خانوادے کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ یہ سلسلہ مجدد الف ثانیؒ، خواجہ باقی باللہ، بہاء الدین نقشبندؒ، ابوالحسن خرقانیؒ، بایزید بسطامیؒ، اور سلمان فارسیؒ جیسے نامی گرامی بزرگوں سے ہوتا ہوا رسول اکرم ﷺ کے جانشین سیدنا صدیق اکبرؓ تک دراز تھا۔ جذب و سلوک اور شریعت و طریقت کی بے بہا مثالیں قائم کرنے والے ایسے عظیم المرتبت بزرگوں سے آپؒ کی نسبت ہو گئی تھی۔ بابا امیر الدینؒ کے حلقۂ ارادت میں آنے کے بعد وہ گویا ایک نئے جہان میں داخل ہوئے جیسے کسی گم گشتہ کو نشان راہ نظر آ گیا ہو۔ کسی پیاسے کو سمندر مل گیا ہو۔۔۔ اب آپؒ کے شوق کا کوئی ٹھکانا نہ رہا، عشق کے مفاہیم آپؒ کی سمجھ میں آنے لگے۔ بابا امیر الدینؒ تو نقشبندی سلسلے کی زنجیر ڈال کر واپس چلے گئے لیکن آپؒ کے دل کی آگ وجود کا حصہ بن گئی۔ یہ آگ آپؒ کو جانے کہاں کہاں لے جاتی تھی۔ گلیوں میں شور مچاتے دیوانہ وار کپڑے پھٹے ہوئے اور بال بکھرے ہوئے۔ گلی میں چلتے چلتے آپؒ اچانک دوڑنا شروع کر دیتے۔ آپؒ شرقپور

میں کم کم نظر آتے۔ دن دن بھر اور رات رات بھر بیابان و گورستان میں اسم ذات کا ورد کرتے رہتے۔ ہوتے ہوتے آپؒ دنوں ہفتوں گھر سے غائب رہنے لگے۔ اس بے قراری میں ایک روز قبرستان سے گزر رہے تھے کہ سرود کی آواز نے آپؒ کے قدم روک لیے۔ سرود بجانے والے کو آپؒ ادھر ادھر ڈھونڈتے رہے۔ قریب ہی خواجہ محمد سعید کا مدفن تھا۔ آواز انہی کی قبر سے آ رہی تھی۔ آپ وہاں جا پہنچے اور کہا ''ابھی تک سرود میں پڑے ہو'' یہ کہہ کر وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور سخی شاہ بخاری کے مزار پر جا کر آپؒ نے دم لیا۔ آپؒ کی حالت متغیر ہو گئی۔ آپؒ مزار پر گر پڑے، کچھ دیر کے بعد آپؒ کو ہوش آیا تو آپ سخی شاہ بخاری کو مخاطب ہو کر بولے ''گرانا ہی جانتے ہو؟'' کہتے ہیں کہ یہ جملہ ابھی ان کی زبان سے ادا ہی ہوا تھا کہ اطراف میں خوشبو پھیل گئی۔ بعد میں آپؒ کو لوگ وہاں سے اُٹھا کر شرقپور لے آئے۔ مگر اب شرقپور میں آپؒ کا جی بالکل نہیں لگتا تھا۔ آپؒ اکثر اپنے مرشد بابا امیر الدینؒ کے پاس چلے جاتے اور ہفتوں، مہینوں وہیں رہتے۔ کہاں تو آپؒ بیعت کے لیے تیار نہ ہوتے تھے اور کہاں اب مرشد کی معیت کے لیے آپؒ کو بے کلی ہونے لگتی۔ آپؒ ہر وقت ان کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ان کی جنبش ابرو کے منتظر اور ان کی ایک نگاہ التفات کے آرزومند۔ مرشد کے لیے آپؒ جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے، چکی پیستے، پانی بھرتے کپڑے دھوتے۔ ایک روز بابا نے چائے کی خواہش کی۔ بارش ہو رہی تھی اس دن ایندھن میسر نہیں ہوا۔ آپؒ نے پگڑی اتار کر جلا دی اور چائے تیار کر کے بابا کی خدمت میں لے آئے۔ بابا امیر الدینؒ جب بھی شرقپور آتے آپؒ ان کی خاطر مدارات میں رات دن ایک کر دیتے۔ دور تک ان کی سواری کے ساتھ دوڑتے۔ وہ بھی آپؒ پر خاص نظر رکھتے۔ بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا

کہ نہ صرف آپؒ ان کے ہو گئے تھے بلکہ وہ بھی ہر وقت آپؒ کا دم بھرتے تھے۔ بابا امیر الدینؒ کی نگرانی میں آنے کے بعد ایک طرح سے آپؒ کی تعلیم و تربیت کا از سر نو آغاز و اعادہ ہوا۔ ان کے حکم پر آپؒ نے انبیاء ائمہ اور صوفیہ کی سوانح اور شریعت و طریقت پر کئی بنیادی کتابوں کا مطالعہ جاری رکھا۔

رفاقت کو دن گزر گئے تھے' ایک روز بابا امیر الدینؒ نے آپؒ پر لطف و کرم کا سلسلہ اور دراز کر دیا۔ انھوں نے آپؒ کے نام خلافت نامہ تحریر کیا اور خرقہ عطا کیا۔ آپؒ چند دن چپ رہے، پھر ایک روز موقع پا کے آپ نے معذرت کر لی کہ وہ خود کو اس مرتبت کا سزاوار نہیں سمجھتے۔ بابا امیر الدینؒ نے بھی خامشی اختیار کر لی۔ کوئی ڈھائی برس گزر گئے۔ ایک روز مرشد نے پھر آپؒ کو طلب کیا اور کہا۔ ''مجھے مرشد مانتا ہے تو میرے حکم کی تعمیل بھی کر، جو میں کہتا ہوں، اسے غور سے سن اور بہتر ہے کہ مزید پس و پیش نہ کر اب میرا وقت زیادہ دور نہیں۔ آگے تیرا بھی کچھ کام ہے۔ میں تجھے جہاں جانے کو کہتا ہوں وہاں جا کے خلق خدا کی خدمت کر۔ اسی میں تیری فلاح ہے اور یقین کر کہ اس وظیفے سے افضل کوئی کام نہیں ہے۔ سو جو کچھ تیرے پاس ہے، اس کی تقسیم میں بخل نہ کر اور جو کچھ نہیں ہے اسے حاصل کرنے کے لیے پیدا کرنے والے سے آس لگائے رکھ۔ سب کچھ تیری طلب ہی پر منحصر ہے یا تیرے نصیب پر''۔ آپؒ کے لیے مفر کی گنجایش نہ رہی۔ پیر و مرشد نے آپکو اپنے ہاتھ سے خرقہ پہنایا اور دستار باندھی۔ آپؒ نے مرشد کی سند خلافت سر آنکھوں سے لگائی۔

جلد ہی اطراف و اکناف میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ شرقپور کے میاں عزیز الدینؒ کے دیوانے فرزند شیر محمدؒ کوٹلہ پنجو بیگ کے پیر طریقت بابا

امیر الدینؒ نے خلافت کی سند سے سرفراز کیا ہے۔نزدیک و دور سے لوگ کشاں کشاں آپؒ کو دیکھنے اور سپاس گزاری کرنے آنے لگے۔آپؒ بھیڑ بھاڑ کے عادی نہ تھے۔ شروع شروع میں آپؒ ان سے کتراتے تھے کوئی بیعت کے لیے کہتا تو صاف انکار کر دیتے۔لوگوں نے بابا امیر الدینؒ سے آپؒ کی شکایت کی کہ یہ تمہارا کیسا نائب ہے جو بیعت لینے سے انکاری ہے اور اپنے پاس آنے والوں سے دور بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ بابا کی ہدایت پر آپؒ کو لوگوں کے مطالبے پر دورے کرنے پڑے تاہم آپؒ کا خیال تھا کہ بیعت تو بک جانے کو کہتے ہیں اور اب نفسانفسی کی دنیا میں کون کس کے ہاتھوں بکتا ہے اب تو بیعت ایک رسم ہو کر رہ گئی ہے۔

بابا امیر الدینؒ کی خانقاہ میں لوگوں کی آمد و رفت رہتی تھی رفتہ رفتہ آپؒ سب کی نگاہوں کا مرکز بن گئے اور غیر منقسم پنجاب میں ان کی شہرت دور دور تک جا پہنچی۔ جب وہ بابا امیر الدینؒ کے حکم پر شرقپور لوٹے تو آپؒ کا استقبال ایک مرشد کامل کے طور پر کیا گیا اور وہ حضرت میاں صاحب شرقپوریؒ کی حیثیت سے یاد کیے جانے لگے ـــــ شرقپور کے لوگ خود آپؒ کے بچپن اور جوانی تک کے گواہ تھے ـــ بابا امیر الدینؒ کی خلافت آپؒ پر مستزاد ثابت ہوئی۔آپؒ کے متعلق ان کے ذہنوں میں اگر کوئی ابہام تھا تو بابا امیر الدینؒ کی سفارش کے بعد اس کا کوئی جواز نہ رہا۔ہر چند کہ ان معاملات میں آدمی خود اپنی سفارش، اپنی ضمانت ہوتا ہے اور انہی معاملات میں کیا زندگی کے ہر معاملے میں سفارشوں اور ضمانتوں کی دیرپائی اپنے ہی عمل پر منحصر ہے۔

شرقپور میں بابا امیر الدینؒ کی ہدایت کے مطابق میاں شیر محمدؒ نے مسند ولایت سنبھال لی تھی۔ان کے پاس آنے والوں کو اپنا تعارف کرانے کی ضرورت ہی پیش نہ

آتی۔ میاں صاحبؒ خود ان کا مدعا بھی بیان کرتے اور مداوا بھی کر دیتے۔ آنے والوں کی خلوت وجلوت کا میاں صاحبؒ کو ایسے علم ہو جاتا جیسے سب کچھ ان کی آنکھوں کے سامنے گزرا ہو۔ براہ راست بات کہنے کے بجائے وہ محفل میں ایک کی باتیں دوسرے کو مخاطب کر کے اس طرح سناتے کہ دیکھو کیسا زمانہ آ گیا ہے لوگ اب اس روش پر چلنے لگے ہیں ایسا کرنے لگے ہیں ویسا کرنے لگے ہیں جو شخص مخاطب ہوتا بخوبی سمجھ لیتا کہ روئے سخن کس طرف ہے۔۔۔۔ پھر وہ محفل سے توبہ کر کے ہی اٹھتا تھا۔

چند ہی دنوں میں میاں شیر محمدؒ کے حوالے سے شرقپور میں ایک نئی خانقاہ کی بنیاد پڑ گئی جس کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے۔ آنے والوں کے لیے وقت اور موسم کی کوئی بندش نہیں تھی۔ مشتاقان دید کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی تھی۔ کوٹلہ پنجو بیگ میں مرشد کی رفاقت میاں شیر محمدؒ کے لیے سائے کی طرح تھی۔ وہاں ان کے مضطرب سینے کو بڑی حد تک قرار آ گیا تھا۔ یہاں شرقپور میں مرشد کا خرقہ پہن کر ان کے حال واحوال میں اور اعتدال آیا۔ لیکن کبھی کبھی مزاج کا وہی تلاطم عود کر آتا۔ جوش میں آ کے کسی کو طمانچہ رسید کر دیتے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض ان کے طمانچے کے لیے ترستے تھے اور اسے میاں صاحبؒ کی توجہ اور قربت کی علامت سمجھتے تھے۔ سمجھتے تھے کہ اب اندھیروں میں کوئی کمی ضرور ہو گی۔

خانقاہ کے ابتدائی دنوں کی بات ہے۔ ایک متمول شخص میاں صاحبؒ کی خاک نشینی اور عبادت گزاری کا ذکر سن کر خانقاہ میں آیا۔ کھانے کا وقت تھا میاں صاحبؒ نے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ اس شخص نے جواب دیا کہ جی ہاں میرا ملازم نیچے بیٹھا ہے۔ اس کے لہجے میں ملازم کے لیے حقارت صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

چنانچہ اسے وہیں عام طریقے پر کھانا کھلایا گیا اور میاں صاحب ؒ خود نیچے جا کر ملازم کو اوپر لے آئے اسے بطور خاص اپنے پاس بٹھا کر طعام میں شریک کیا اور کہنے لگے کیا ستم ہے کہ لوگ دنیا کے قلیل مال کو موجب عزت سمجھتے ہیں یہ تو آخرت کے لیے وبال ہے جتنا مال کم ہوگا اتنا حساب کم ہوگا۔

انہی دنوں کا واقعہ ہے کہ شرقپور میں پہلی بار طاعون پھیلا۔ ایک شخص وباء میں ہلاک ہوگیا لوگ اس کی میت کے قریب نہیں پھٹک رہے تھے۔ ساری بستی میں کوئی اس کے کفن دفن کے لیے تیار نہ تھا میاں صاحب ؒ کو معلوم ہوا تو اپنے ایک ہم نشین میاں محمد دین کے ہمراہ خود مرحوم کے گھر پر گئے۔ وہ اگر میت مسجد میں لے جاتے تو لوگ جانے نہ دیتے، کنویں پر زمیندار مانع تھا۔ آخر ایک کھیت میں چار پائی رکھی گئی اور غسل کا تختہ اور پانی کے مٹکے منگوائے گئے۔ مرحوم کے اقرباء دور کھڑے تماشا دیکھتے رہے۔ میاں صاحب ؒ نے مرنے والے کو اپنے ہاتھوں سے غسل دیا۔ میاں محمد دین پانی ڈالتے اور میاں صاحب ؒ جسم دھوتے۔ پھر میت کو کفن پہنا کے سب لوگوں کے سامنے چار پائی پر رکھا اور مرحوم کی پیشانی کو بوسہ دیا اور لوگوں سے بولے ''اب تو آجاؤ'' لوگ ٹھہر نہ سکے سب نے بڑھ کر جنازہ کندھوں پر اٹھالیا میاں صاحب ؒ نے میت کو خود لحد میں اتارا اور دفنایا۔

ایک عورت کا نوجوان اور بے گناہ لڑکا قتل کے مقدمے میں گرفتار تھا مگر شہادتیں سب اس کے خلاف تھیں۔ ماں اپنے بیٹے کے لیے جگہ جگہ انصاف مانگتی آہ و بکا کرتی رہی لیکن ہر تاریخ پر بات اور خراب ہوتی رہی در در کی ٹھوکریں کھا کے وہ مایوس ہو چکی تھی کہ کسی نے اسے شرقپور کی راہ دکھائی اور تاکید کی کہ میاں صاحب ؒ سے تعویذ لکھا کر لانا ورنہ کام نہیں ہوگا۔ وہ شرقپور بھی آئی۔ میاں صاحب ؒ خواتین سے نہیں ملتے تھے

مگر عورت نے اصرار کیا کہ میں تو ملے بغیر نہ جاؤں گی۔ لوگوں نے کہا حجت بے سود ہے بہتر ہے کہ اپنا کام بتا ہم تیرا سوال میاں صاحبؒ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ وہ بضد رہی کہ میں خود ان سے مل کر التجا کروں گی وہ کسی طرح وہاں سے ٹلنے پر آمادہ نہ تھی اور مکان میں داخل ہونے کے لیے بے قرار نظر آتی تھی۔ لوگوں نے بمشکل اسے روکا اور ان میں سے کسی نے اسے مشورہ دیا کہ گلی کے کنارے بیٹھ جاؤ میاں صاحبؒ گزریں گے تو بات کر لینا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ میاں صاحبؒ مسجد جانے کے لیے گھر سے نکلے تو عورت نے ان کا راستہ روک لیا اور دہائیاں دینے لگی میاں صاحبؒ نے لوگوں سے کہا اس سے کہو کہ کنارے ہو جائے اور پریشانی بتائے وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور فریادی ہوئی کہ میرا بیٹا بے گناہ ہے اور فیصلے کی تاریخ آ گئی ہے۔ میں تعویذ لینے آئی ہوں اس کے بغیر نہ جاؤں گی۔ میاں صاحبؒ نے کہا بی بی! گھر لوٹ جا، تیرا بیٹا بری ہو جائے گا عورت اڑی رہی کہ اسے تعویذ لکھ کر دیا جائے۔ گلی کے لوگوں اور میاں صاحبؒ کے مریدوں نے اسے سمجھانا چاہا کہ وہ اطمینان رکھے خدا نے چاہا تو جیسا میاں صاحبؒ نے فرمایا ہے ویسا ہی ہوگا۔ میاں صاحبؒ تعویذ نہیں لکھتے تھے۔ عورت سسکیاں بھرنے لگی اور تعویذ کے لیے منت کرتی رہی میاں صاحبؒ کو اندازہ ہو گیا کہ یہ اس طرح نہیں ٹلے گی انہوں نے کاغذ کا ایک ٹکڑا طلب کیا اور کچھ لکھ کے عورت کے حوالے کر دیا۔ اب اس کی تسلی ہوئی اور میاں صاحبؒ کو دعائیں دیتی چلی گئی۔

فیصلے کی تاریخ آ گئی انگریز کی عدالت تھی تمام کارروائی انگریزی میں ہوتی رہی جج نے پورا فیصلہ انگریزی ہی میں سنایا اور خلاف معمول کٹہرے میں کھڑے ہوئے نوجوان سے اردو میں مخاطب ہو کے کہا "جاؤ ہم تم کو بری کرتا ہے" تمام کارروائی ملزم

کے خلاف رہی تھی لہٰذا سب حیرت زدہ ہو گئے کہ فیصلہ اس کے حق میں کیسے ہو گیا مگر لڑکے کی ماں کو کوئی تعجب نہ تھا اسے یقین تھا کہ یہ سب میاں صاحبؒ کے تعویذ اور ان کی دعاؤں کی کرشمہ سازی ہے۔ وہ لوگوں سے کہتی تھی میں میاں صاحبؒ سے تعویذ جولائی تھی بعض تجسس پسندوں کو بے چینی ہوئی کہ آخر میاں صاحبؒ نے ایسا کون سا عمل تعویذ پر لکھا تھا۔ نوجوان رہا ہو کے گھر آ گیا چنانچہ اب تعویذ کھول کر دیکھنے میں کوئی حرج نہ سمجھا گیا۔ تعویذ دیکھا تو سب کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں کاغذ کے ٹکڑے پر یہ عبارت تحریر تھی "جاؤ ہم تم کو بری کرتا ہے"۔

میاں صاحبؒ کی زبان میں بہت حلاوت تھی وہ نہایت نرم، سادہ اور جچے تلے لہجے میں بات کرتے تھے۔ غصے میں بھی کلام کی سلاست و بلاغت قائم رہتی۔ ان کا انداز بیان ایسا دل نشیں تھا کہ بات سننے والوں کے رگ و ریشے میں اتر جاتی تھی۔ سلف صالحین کے بے شمار واقعات انہیں از بر تھے انہی مثالوں کے ذریعے وہ لوگوں کو تلقین کرتے تھے یہ واقعات سن کے لوگ کبھی زارو قطار رونے لگتے خود میاں صاحبؒ پر بھی یہی کیفیت طاری ہو جاتی۔

کہتے تھے سکھوں کو دیکھو اپنے گرو کی تعلیمات پر کیسا عمل کرتے ہیں۔ نجانے ہم مسلمان انگریزوں کی تقلید کے کیوں اتنے دلدادہ ہیں۔ سکھوں کی داڑھی کیا ان کی زندگی کے مشاغل، ان کی تعلیم اور نوکری میں رکاوٹ بنتی ہے، ان پر کوئی حرف زنی نہیں کرتا، انہیں کسی کا ڈر نہیں ہے لیکن ہم حجامت نہیں کروائیں گے داڑھی ضرور منڈوائیں گے۔ کیا انگریزوں کو یہ جتانا مقصود ہے کہ مذہب سے ہمارا تعلق گہرا نہیں ہے؟ میاں صاحبؒ اکثر لوگوں سے پوچھتے کہ کتنے برس انگریزی پڑھی ہے جواب ملتا

دو برس، تین برس، پانچ برس وغیرہ میاں صاحبؒ پوچھتے ذرا بسم اللہ کے معنی تو بتاؤ۔ لوگوں کے پاس کوئی جواب نہ ہوتا۔ انگریزوں کے اقبال کا سورج اس وقت ساری دنیا پہ چھایا ہوا تھا۔ میاں صاحبؒ کوئی سیاسی کارکن نہ تھے نہ انگریزوں کے خلاف جدو جہد کرنے والی کسی تنظیم کے رکن، مگر فرنگی کے خلاف بے دھڑک باتیں کرتے۔ جانے کتنے اپنے پاس آنے والوں کے جسم و جاں سے انہوں نے فرنگیوں کے جاہ و حشم کا سحر توڑا اور انہیں سر اٹھانے کا حوصلہ دیا۔

کبھی کچھ بدگماں لوگ انہیں آزمانے کے لیے بھی آتے۔ میاں صاحبؒ کی بازی گری خود ان کی ذات تھی اور ان کے شب و روز لکھی ہوئی کتاب کی مانند تھے۔ ان کے ساتھ ایک پہر دو پہر گزار کر لوگ خود منفعل و محجوب واپس چلے جاتے۔ میاں صاحبؒ کا طریق یہ تھا کہ کسی میں کوئی عیب نظر آتا تو بتانے میں ذرا تردد نہ کرتے کسی نہ کسی طرح اسے ٹوکتے ضرور چاہے وہ کوئی بھی ہو۔ حاکم ہو یا محکوم، غریب ہو یا امیر، اجنبی ہو یا رشتے دار، لوگ خندہ پیشانی سے ان کی بات سن لیتے تھے۔ اس لیے کہ کہنے والا کوئی اور نہیں میاں شیر محمدؒ تھے۔

بیان کے اثر میں نیت اور عزم کا بڑا دخل ہوتا ہے اور دل سوزی کا بھی۔ عمل و کردار کا اثبات بھی کلام میں قوت کا سبب بنتا ہے۔ مسلمان ہی نہیں میاں صاحبؒ کے پاس غیر مسلم بھی بڑی تعداد میں آنے لگے تھے۔ انہیں بھی میاں صاحب کے دروازے پر کچھ کم مرتبہ نہیں دیا جاتا تھا۔ ایک بار ایک سکھ آیا اور ایک کونے میں چپکا بیٹھا رہا، میاں صاحبؒ نے اسے دیکھ لیا تھا لیکن وہ خاموش رہے۔ سکھ کچھ دیر تک اپنی جگہ سر جھکائے بیٹھا رہا پھر یکایک اٹھا اور ہاتھ اٹھا کر جانے کی اجازت مانگنے لگا

''دھنیہ ہومہاراج' میرا برسوں کا کام بن گیا' اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔

اسلامیہ کالج لاہور کے پرفیسر مولوی اصغر علی روحی کا بیان ہے'' مجھے شدید بخار ہو گیا تھا میں نے ارادہ کیا تھا کہ کسی شخص کو صبح حضرت میاں صاحبؒ کی خدمت میں شرقپور روانہ کروں گا تا کہ وہ میرے لیے صحت کی دعا بھی کروائے اور پانی بھی دم کرا کے لائے۔ رات تکلیف میں گزری صبح فجر کا وقت تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی دروازہ کھولا تو دیکھا سامنے حضرت میاں صاحبؒ کھڑے ہیں وہ اندر آئے اور میری چارپائی پر بیٹھ گئے انہوں نے میرا حال پوچھا۔ پھر تین چار منٹ بیٹھے ہوں گے کہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے اور بولے مریض کے پاس زیادہ بیٹھنے سے اسے تکلیف ہوتی ہے اور پھر والدہ نے فرمایا تھا کہ جلد آنا اس لیے اب جاتا ہوں۔ مولوی اصغر علی صاحب نے لکھا ہے کہ میں اس دن چارپائی سے چاق و چوبند اٹھا۔ میں سوچتا ہوں کہ رات کو میں نے اطلاع دینے کا خیال ہی کیا تھا نہ معلوم میاں صاحبؒ کب شرقپور سے چلے تھے جب کہ موٹر نہیں چلتی تھی یکے ہوتے تھے جو شام تک چلتے تھے اور پھر دن چڑھے سواری ملتی تھی۔

ایک رات میاں صاحبؒ اپنی مسجد کی چھت پر نفل ادا کر رہے تھے کہ کوئی شخص آیا اور مسجد کے کنوئیں سے پانی نکالنے لگا۔ میاں صاحبؒ فوراً نیچے آ گئے۔ انہوں نے دور ہی سے اس شخص کو ٹھہر جانے کی ہدایت کی کہا پہلے دیا لاؤ پھر ڈول نکالنا ایک دوسرا نمازی ان کی آواز سن کے آ گیا تھا وہ بھاگ کر اندر سے دیا اٹھا لایا۔ میاں صاحبؒ نے کہا ڈول نکالو۔ ڈول نکال کے زمین پر رکھ دیا گیا۔ میاں صاحبؒ نے دیا ڈول کے سامنے کرنے کو کہا۔ دونوں آدمیوں نے دیئے کی روشنی میں ڈول کے اندر

جھانک کے دیکھا تو گھبرا کے ایک دم پیچھے ہٹ گئے ڈول میں سانپ تھا انہوں نے فوراً اسے ہلاک کر دیا اور میاں صاحبؒ سے سوال کیا۔ ''حضرت! آپؒ تو اوپر چھت پر تھے آپؒ کو کیسے معلوم ہو گیا کہ ڈول میں سانپ ہے؟'' ۔۔۔ میاں صاحبؒ نے ہنس کر کہا۔ ''ہم جس کی عبادت کرتے ہیں وہی سب کچھ بتاتا ہے''۔

حاجی فضل الٰہی کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ میاں صاحبؒ سرہند جا رہے تھے راستے میں اسٹیشن پر وضو کے لیے وہ پانی لینے اترے۔ پانی لے کے واپس ہوئے تو ڈبے کے دروازے کے پاس ایک خوش وضع سکھ جوان فوجی وردی میں کھڑا تھا۔ میاں صاحب نے ایک نظر اسے غور سے دیکھا اور کہا لڑکے! تیری صورت تو مسلمانوں جیسی ہے۔ اس جوان نے توجہ نہ کی اور تندی سے کہا ''جاؤ اپنا کام کرو بڑے میاں'' وہ نہیں جانتا تھا کہ میاں صاحب نے اپنا کام ہی تو کیا ہے وسل ہوئی اور گاڑی چل پڑی۔ اچانک سکھ جوان دوڑتا ہوا ڈبے میں آیا اور آتے ہی میاں صاحبؒ کے قدموں پر گر پڑا۔ وہ ملتجی تھا کہ ''مجھے مسلمان بنا لیجیے'' میاں صاحب نے اسے سینے سے لگا لیا۔

''خزینہ کرم'' نامی کتاب میں میاں صاحبؒ کے ایک باصفا مرید ڈاکٹر نواب الدین مرحوم کے حوالے سے درج ہے کہ شرقپور میں ایک نومولود بچہ ہر وقت روتا رہتا تھا علاج معالجے سے صحت کی کوئی صورت نہ نکلی ہر طرف سے مایوسی کے بعد آخر اسے میاں صاحبؒ کے پاس لایا گیا۔ وہ برابر روئے جا رہا تھا میاں صاحبؒ نے اسے دیکھ کے صرف اتنا کہا ''اشکنے ای اوئے سانوں تے رون دا ول اج تک نئیں آیا توں تے ہر وقت رونا ایں'' میاں صاحبؒ کا یہ کہنا تھا کہ بچہ خاموش ہو گیا۔۔۔ حالانکہ وہ جب سے پیدا ہوا تھا گھڑی بھر بھی چپ نہ ہوا تھا۔

ایک دفعہ دس گیارہ افراد کا ایک قافلہ میاں صاحبؒ کی معیت میں کہیں جا رہا تھا ''خزینہ معرفت'' کے مؤلف صوفی محمد ابراہیم بھی قافلے کے ساتھ شامل تھے۔ سب لوگ میاں صاحبؒ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ میاں صاحبؒ بار بار ان سے ساتھ چلنے کے لیے کہتے لیکن مرید احتراماً پیچھے ہی رہے۔ آخر میاں صاحبؒ کو سرسری لہجہ ترک کر کے انہیں حکم دینا پڑا سب کو تعمیل کرتے ہی پڑی سب ان کے آگے آگے۔ چلنے لگے صوفی ابراہیم نے بلند آواز میں کہا'' آجڑی (گڈریا چرواہا) ہمیشہ پیچھے ہوتا ہے بھیڑیں آگے آگے میاں صاحبؒ نے یہ سنا تو تیزی سے آگے بڑھ گئے اور سب سے آگے ہو کر کہنے لگے'' نہیں میں بھیڑ اور تم سب آجڑی۔''

ان کی غذا، لباس، نشست و برخاست، رہن سہن اور انداز و اطوار میں اپنی ذات کی نفی کا عمل نمایاں تھا یہاں تک کہ وہ اپنا نام لکھنے سے بھی اجتناب کرتے تھے مدرسے کے زمانے میں لکھا ہو تو لکھا ہو بعد میں کبھی انہوں نے اپنے ہاتھ سے اپنا نام نہیں لکھا۔ محفل میں وہ ہمیشہ دوزانو بیٹھتے اور مریدوں کو بھی تلقین کرتے کسی کو اپنے بلانے کے بجائے وہ خود اس کے پاس چلے جاتے تھے اور لوگوں کے ساتھ زمین پر بیٹھ جاتے۔ مسجد سے نکلتے وقت وہ دایاں پاؤں پہلے نہیں نکالتے تھے۔ کسی کے جوتے غلط رکھے ہوں تو میاں صاحبؒ اپنے ہاتھوں سے قبلہ رو کر دیتے۔ حکیم پیر بخش بلو کی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ کسی شخص نے ان سے کہا کہ'' آپؒ کا فلاں مرید سلام عرض کرتا ہے''۔ میاں صاحبؒ مرید کا لفظ سن کے بہت رنجیدہ خاطر ہوئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اپنی داڑھی پکڑ کے بولے'' یہ منہ بھلا پیر بننے کے لائق ہے؟'' حکیم پیر بخشؒ کہتے ہیں کہ پھر انہوں نے جن مذموم لفظوں میں اپنے وجود باجود کو خطاب کیا تھا میرا

قلم انہیں دہرانا پسند نہیں کرتا۔

ایک مرتبہ قصور میں میاں صاحبؒ کچھ احباب کے ساتھ سے گزر رہے تھے راستے میں ایک بھنگن نظر آئی وہ بازار کا کوڑا کرکٹ ٹوکری میں بھرے کھڑی تھی۔ اس کی گود میں ایک بچہ بھی تھا اس لیے اسے ٹوکری اٹھانے میں دشواری ہو رہی تھی میاں صاحبؒ نے یکا یک لپک کے اپنے دونوں ہاتھوں سے ٹوکری اٹھائی اور بھنگن کے سر پر رکھ دی احباب دیکھتے رہ گئے۔

شرقپور شریف کا واقعہ ہے۔ میاں صاحبؒ ایک صبح اپنے مکان میں بیٹھے تھے ان کا مکان رفتہ رفتہ ایک خانقاہ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اچانک ایک بڑھیا اندر چلی آئی اور بڑے درد سے بولی بابا! تم بہت لوگوں سے سلوک کرتے ہو میری بھی ایک آرزو پوری کر دو۔ میں نبی کریم ﷺ کا روضہ دیکھنا چاہتی ہوں''۔ میاں صاحب نے نرمی سے کہا مائی درود شریف پڑھا کرو اور پڑھتے وقت خیال کر لیا کرو کہ تم وہیں ہو۔ بڑھیا نے اسی وقت یہ تصور کر کے درود شریف پڑھا اور بے اختیار پکار اٹھی ''خدا کی قسم میں روضے کے سامنے ہوں۔ میں روضے کے سامنے ہوں''۔ میاں صاحبؒ کی پیشانی پر بل پڑ گئے وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ لوگ کسی بھڑوے کا پردہ بھی نہیں رہنے دیتے۔ بھڑوے کا لفظ انہوں نے اپنے لیے کہا تھا نقل میں تبدیلی ناروا ہے اس لیے یہاں بجنسہ یہ لفظ دہرایا ہے۔ وہ اس طرح نفس اپنا مارتے تھے۔ یہ شیوہ میاں صاحبؒ ہی کا نہیں تھا ناموروں میں بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں۔

پروفیسر ضیاء الحق نے اپنے والد مولانا اصغر علی روحی کا ایک چشم دید واقعہ بیان کیا ہے۔ مولانا روحی ایک روز میاں صاحبؒ کے مکان پر گئے میاں صاحبؒ ڈیوڑھی

میں کتوں کو روٹیاں کھلا رہے تھے۔ایک کتیا نہایت لاغر تھی انہوں نے اس کے سامنے ٹکڑا رکھا تو ایک موٹے تازے کتے نے جھپٹ لیا۔میاں صاحبؒ نے کتے سے کہا تم نے کیوں اٹھالیا یہ تمہارا حصہ تو نہیں تھا۔کتے نے ٹکڑا فوراً چھوڑ دیا اور نہ صرف چھوڑ دیا بلکہ کتیا کے آگے کر دیا۔گلی کے کتوں کو روٹیاں ڈالنا میاں صاحبؒ کے معمولات میں شامل تھا۔

ایک روز میاں صاحبؒ نے ایک گدھے کو بوجھ اٹھائے مرجھایا اور تھکا ہوا دیکھا۔وہ بے تاب ہو گئے اور قریب جا کے اس کی بلائیں لینے لگے۔انہوں نے گدھے کی گردن چومی اور رقت سے بولے "سوہنیا تو اتنا بوجھ اٹھائے پھرتا ہے"۔یہ واقعہ بیان کرتے ہوئے صوفی محمد ابراہیم نے لکھا ہے کہ ممکن ہے بعض طبقوں میں اعتراض پیدا ہو لیکن یہ بھی سالک کا مقام ہے جسے محبت عامہ کہتے ہیں۔صوفی محمد ابراہیم نے اپنے تذکرے "خزینہ معرفت" میں ایسی کئی مثالیں درج کی ہیں خصوصاً حضرت شبلیؒ کا واقعہ کہ ایک دفعہ وہ راستے میں تھے ایک بیل کو کسی نے لاٹھی ماردی۔حضرت شبلیؒ کی چیخ نکل گئی لوگوں نے چیخ کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کمر سے کرتا اٹھا کر دکھایا۔لاٹھی کا نشان کمر پر موجود تھا۔

حکیم محمد اشرف نے لکھا ہے کہ ان کے والد حکیم محمد اسحاق اپنے دفتر واقع گنگا رام بلڈنگ لاہور میں مصروف کار تھے۔انہوں نے اچانک ایسا محسوس کیا جیسے میاں صاحبؒ انہیں یاد کر رہے ہیں وہ کام چھوڑ چھاڑ کر شرقپور چل دیے چو بر جی پہنچ کے وہ تانگے میں سوار ہوئے تانگا چوہنگ پہنچا تو شام ہو چکی تھی۔اب دریائے راوی عبور کرنے کا مسئلہ تھا۔ حکیم صاحب فکر مند تھے کہ کہیں ملاح نہ چلے گئے ہوں لیکن یہ جان کر اطمینان ہوا کہ ایک ملاح موجود ہے ملاح گھر جانے کی تیاری کر رہا تھا وہ حکیم صاحب کو دیکھ کے بولا "آجاؤ بیٹا! آج شاید تمہاری وجہ سے دیر ہو گئی ورنہ اس وقت میں گھر چلا جاتا ہوں"۔حکیم صاحب

نے کشتی میں دریا عبور کیا اور مغرب کی نماز پڑھی۔ پھر عام لمبے راستے کے بجائے جنگل سے گزرنے والا مختصر راستہ اختیار کیا۔ ابھی نصف راستہ انہوں نے طے کیا ہوگا کہ سرکنڈوں میں سے دفعتاً ایک بھیڑیا نمودار ہوا اور حکیم صاحب سے کوئی دس قدم پر کھڑا ہو گیا حکیم صاحب سہم کے رہ گئے بچاؤ کی کوئی صورت نہ تھی۔ بھیڑیا ایک جست میں ان تک پہنچ گیا۔ حکیم صاحب کا کہنا ہے کہ معاً میرے دل میں میاں صاحبؒ کا خیال آیا اور میں نے آنکھیں بند کر لیں پھر چند منٹ بعد میں نے آنکھیں کھولیں تو بھیڑیا جا چکا تھا۔ حکیم صاحب آگے بڑھے اور لشتم پشتم شرقپور پہنچے۔ میاں صاحبؒ عشاء کی نماز با جماعت ادا کر رہے تھے۔ حکیم صاحب بھی جماعت میں شامل ہو گئے۔ نماز کے بعد میاں صاحبؒ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ حکیم صاحب پر اب بھی خوف و ہراس طاری تھا۔ میاں صاحبؒ انہیں دیکھ کر مسکرانے لگے "لالے اج تے توں بڑا ای تھکایا اے۔ سانوں تے کھلیاں پے گیاں نے اگوں تو سدھے راہ آیا کر، ایہہ نہیں ہوسکدا اسی کہ میرا بیلی یاد کرے تے میں نہ پہنچاں"۔

(ترجمہ، آج تو تم نے مجھے بڑا ہی تھکا دیا ہے میں تھک کر چور ہو گیا ہوں آئندہ سیدھے راستے سے آیا کرو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میرا مرید یاد کرے اور میں نہ پہنچوں)۔

ایک دفعہ میاں صاحبؒ مکان شریف سید امام علی شاہؒ کے عرس میں شریک تھے ۔عصر کے وقت کوئی شور سنائی دیا۔ معلوم ہوا کہ زائرین میں سے کسی کا لڑکا فوت ہو گیا ہے۔ میاں صاحبؒ نے کہا دیکھو تو سہی کہیں سکتے کے عالم میں ہو، اس کے تلوے ملو، ہتھیلیوں کی مالش کرو، ان شاء اللہ ہوش آجائے گا۔ لوگوں نے یہی کیا۔ لڑکے کو واقعی ہوش آ گیا۔ میاں صاحبؒ نے اس کے والدین کو ہدایت کی کہ اسے فوراً گھر لے جاؤ یہ رات کو یہاں ہرگز نہ

رہے۔ والدین فوراً لڑکے کو اپنے گھر لے گئے۔ وہ لوگ ابھی گھر پہنچے ہی تھے کہ لڑکا فوت ہو گیا بعد میں میاں صاحبؒ سے کسی نے اس واقعے کے بارے میں دریافت کیا۔ میاں صاحبؒ بولے کہ ”دراصل وہ قبلہ عالم سید امام علی شاہؒ کے عرس شریف کا موقع تھا میں نے رب العزت سے دعا کی تھی کہ چند گھنٹوں کے لیے لڑکے کو زندگی دے دے تا کہ عرس شریف خوشی خوشی اختتام پذیر ہو“۔

میاں منظور حسین ساکن سانده کلاں کا بیان ہے کہ ”میری عمر تقریباً بائیس سال کی تھی۔ ۱۹۲۳ء میں اپنے دیگر رشتے داروں کے ہمراہ مجھے اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ اعلیٰ حضرت نے مجھے سلسلہء عالیہ میں بیعت کر لیا اور میں ہر ماہ باقاعدگی سے ان کی خدمت میں شرقپور شریف حاضر ہوتا رہا۔

ایک مرتبہ رام پور کا نواب خدمت میں باریاب ہوا اور دو ہزار روپے کی تھیلی اور ایک شیشی عطر نذر کے طور پر پیش کی۔ نواب زادے کی داڑھی نہ تھی۔ میاں صاحبؒ نے نام دریافت کیا۔ نواب زادے نے کہا۔ ”اسد علی“۔ میاں صاحب نے دونوں ہاتھ نواب زادے کے چہرے پر پھیرے ہوئے کہا ”نواب ! کیا علیؓ کی شکل ایسی ہی تھی؟؟“ نواب زادے پر رقت طاری ہو گئی۔ عرض کیا ”حضور! یہ نذر قبول فرمائیں“ میاں صاحبؒ نے کہا اس شیشی میں غریبوں کا خون ہے اور تھیلی میں ان سے جبری وصول کیے ہوئے ٹیکس کا روپیہ۔ میں یہ قبول نہیں کر سکتا۔ میرا رازق اللہ تعالیٰ ہے آپ میرے رازق نہیں ہیں۔

ایک مرتبہ میاں صاحبؒ سے ایک شخص نے کہا کہ ”حضور میں بڑا تنگ دست ہوں میرے لیے دعا فرمائیے“۔ میاں صاحبؒ نے اس کے لیے دعا کی اور کہا ”لکڑی کا کام کرو“۔

اس شخص نے یہ بات گرہ میں باندھ لی اور لکڑی کا کام شروع کر دیا۔ ابتداء ہی میں اسے پندرہ سو روپے کا فائدہ ہوا۔ وہ شرقپور شریف آیا۔ میاں صاحبؒ قصور گئے ہوئے تھے وہ قصور گیا مگر میاں صاحبؒ وہاں سے بھی چل چکے تھے۔ وہ شخص پھر شرقپور شریف آیا میاں صاحبؒ اسے دیکھ کر برہم ہو گئے اور بولے دیکھو اب شرقپور نہ آنا ورنہ سارا معاملہ الٹ جائے گا۔ وہ شخص وہیں شرقپور شریف ہی میں ٹھہر گیا اور کئی روز ٹھہرا رہا کسی نے اس سے پوچھا کہ تم جاتے کیوں نہیں؟ اس نے کہا کہ میاں صاحبؒ نے دوبارہ آنے کو منع کیا ہے۔ یہ بات میاں صاحبؒ کو بتائی گئی وہ مسکرانے لگے پھر انہوں نے بخوشی اسے اجازے دے دی کہ وہ جب چاہے شرقپور آ سکتا ہے۔

ایک روز میاں صاحبؒ اپنے ایک ساتھی کے ساتھ جا رہے تھے راستے میں انہیں ایک مٹکا نظر آیا۔ میاں صاحبؒ نے اس میں سے پانی پینا شروع کر دیا ان کے ساتھی نے کہا "یہ مٹکا اچھا معلوم نہیں ہوتا اس کا پانی نہ پیجیے۔ میاں صاحب نے انکسار سے کہا "بھئی میں تو ایسا پانی پینے کے لائق بھی نہیں ہوں"۔

دھوبی گھاٹ شرقپور شریف کے ٹیلر ماسٹر میاں امام دین کہتے ہیں کہ میاں صاحبؒ کسی سائل کو مایوس نہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک حاجت مند ان کے پاس مالی امداد کے لیے آیا۔ شرقپور شریف میں داخل ہوتے وقت اس نے سوچا کہ میاں صاحبؒ کے سامنے وہ اپنے آپ کو سید ظاہر کرے گا تو وہ زیادہ توجہ فرمائیں گے۔ چنانچہ اس نے میاں صاحبؒ کو یہی بتایا کہ وہ سید ہے۔ میاں صاحبؒ نے اس کی امداد کی اور اسے رخصت کرنے تھوڑی دور تک اس کے ساتھ گئے اور ایک جگہ ٹھہر گئے اور بولے "سنو یہی وہ

مقام ہے جہاں تمہارے دل میں سید بننے کا خیال آیا تھا تمہاری عزت اور توقیر اسی جگہ تک ہے اب میں واپس جاتا ہوں"۔

میاں صاحبؒ کہتے تھے کہ شیطان آدمی کے بدن میں خون کی طرح دوڑتا ہے اس لیے بھوک اور پیاس سے شیطان کا راستہ تنگ کرو اگر فرعون بھوکا رہتا تو خدائی کا دعویٰ نہ کرتا۔ بھوکے رہنے سے گناہ اور شہوت کے کاموں کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔ اتنا کھاؤ کہ معدہ ثقیل ہو نہ بھوک کی شدت محسوس ہو۔ اتنے بھوکے بھی نہ رہو کہ ضعف سے کوئی کام بھی نہ کر سکو۔ ان کا قول تھا کہ جو آدمی چالیس دن مشتبہ مال کھاتا ہے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ وہ اکثر حضرت ابن عباسؓ کی روایت بیان کرتے تھے کہ اللہ اس شخص کی نماز قبول نہیں کرتا جس کے پیٹ میں حرام کا لقمہ ہو۔ میاں صاحبؒ کو ابتدا ہی سے فاقہ کشی اور مجاہدوں کی عادت تھی کبھی کبھی تو ہفتوں کچھ نہ کھاتے ایک مرتبہ دو ماہ تک اناج کو ہاتھ نہ لگایا۔ نفلی روزے متواتر رکھتے تھے۔ کہتے تھے کہ دنیا دریا ہے آخرت کنارا ہے اور تقویٰ کشتی ہے۔ تمام مخلوقات تین صفات کی حامل ہیں۔ فرشتے عقل رکھتے ہیں مگر خواہش اور غضب نہیں رکھتے۔ حیوان خواہش و غضب رکھتے ہیں مگر عقل نہیں رکھتے۔ انسان تینوں صفات رکھتا ہے اگر وہ خواہش و غضب کو عقل کے تابع کر لے تو فرشتوں سے اعلیٰ درجہ پائے۔ اگر خلاف کرے تو حیوان سے بھی بدتر ہو جائے اور کہا کہ چھ آدمی چھ عیوب کے سبب دوزخ کا ایندھن ہوں گے۔ عرب کے لوگ تعصب اور عداوت کے سبب سے، گاؤں کے رئیس تکبر کے سبب سے۔ سوداگر داؤ بازی کے سبب سے، عامۃ الناس جہل کے سبب سے، حاکم ظلم کے سبب سے اور عالم حسد کے سبب سے جو نیکیاں جلا دیتا ہے۔۔۔۔۔ وہ کہتے تھے کہ اپنے فیصلے شریعت و سنت کے مطابق کرو اور کچہریوں میں جا کر ذلیل و خوار نہ ہوا کرو

۔۔۔۔۔۔خاموشی کے متعلق ان کا کہنا تھا کہ خاموشی عجب چیز ہے جو گوشہ نشینی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتی۔۔۔۔۔۔۔۔۔"السکوت مفتاح العبادۃ"یعنی سکوت عبادت کی کنجی ہے۔"السکوت من رحمتہ اللہ تعالی"خاموشی رحمت الٰہی میں سے ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص نے میاں صاحبؒ سے پوچھا۔"میاں جی! خیر ہے؟"میاں صاحبؒ نے کہا۔۔۔۔۔۔۔۔اعمال نامہ اگر دائیں ہاتھ میں ملا تو خیر ہے ورنہ نہیں۔"

ایک دفعہ کا ذکر ہے میاں صاحبؒ آدھی رات کے وقت بازار سے گزر رہے تھے تھانے دار بھی گشت پر تھا ہر طرف سناٹے کا راج تھا میاں صاحبؒ کو دیکھ کے تھانے دار نے آواز لگائی میاں صاحبؒ کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔تھانے دار نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اس شخص کو پکڑ لاؤ سپاہیوں نے کہا یہ تو میاں صاحبؒ ہیں سائیں لوگ ہیں۔ تھانے دار غیر مسلم تھا کہنے لگا"تم نہیں جانتے یہ وہ لوگ ہیں جو چوروں اور ڈاکوؤں کو پناہ دیتے ہیں"میاں صاحبؒ نے یہ جملہ سن لیا تھا لیکن کچھ نہ کہا گھر چلے آئے۔دوسرے روز وہ آغا سکندر شاہ سے ملنے پشاور چلے گئے اسی رات چوروں نے تھانے دار کا گھر لوٹ لیا۔تھا نے دار نے کوئی کارروائی نہ کی۔میاں صاحبؒ پشاور سے لوٹے تو وہ ان کے پاس آیا اور معافی کا طلبگار ہوا۔میاں صاحبؒ نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا پھر وہ تھانے دار جب تک شرقپور شریف میں تعینات رہا برابر میاں صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا۔

میاں صاحبؒ کے خادم محمد دین کا بیان ہے کہ ایک بار میاں صاحبؒ سید نورالحسن شاہؒ کے ہمراہ مکان شریف گئے۔وہاں چارپائی پر زنجیر سے جکڑے ہوئے ایک پاگل شخص کو لے کر لوگ حاضر ہوئے۔میاں صاحبؒ مسجد میں موجود تھے عبادت میں

مداخلت مناسب نہیں تھی اس لیے لوگ باہر کھڑے انتظار کرتے رہے۔ چار پائی مسجد کی دیوار کے ساتھ رکھ دی گئی۔ میاں صاحبؒ باہر آئے تو ان کی نظر سب سے پہلے چار پائی پر پڑی۔ انہوں نے پوچھا کہ اسے کیوں جکڑا ہوا ہے؟ میاں صاحبؒ کا یہ کہنا تھا کہ زنجیر میں جکڑے ہوئے شخص کی وحشت جاتی رہی اور وہ حشت زدہ نظروں سے ارد گرد کھڑے ہوئے لوگوں سے پوچھنے لگا کہ مجھے کیوں باندھا گیا ہے؟ مجھے کھول دو۔ خدا کے لیے کھول دو۔ میاں صاحبؒ کے اشارے پر اسے کھول دیا گیا۔

حافظ غلام یٰسین قصوری نے لکھا ہے کہ میری شادی ہوئی تو میں نے دوسرے روز عشاء کی نماز نہیں پڑھی۔ ویسے ہی سو گیا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ میاں صاحبؒ آئے ہوئے ہیں اور غصے سے کہہ رہے ہیں ''شادی کرتے ہی نماز چھوڑ دی ہے؟'' یہ کہہ کر انہوں نے دو تھپڑ بھی مارے۔ میں الٹ کے چار پائی سے نیچے جا پڑا۔ گھر کے سب لوگ حیران رہ گئے مگر میں اٹھ کے سیدھا مسجد کی طرف گیا اور جب میں نے نماز ادا کر لی تب لوٹ کے گھر والوں کو اپنا خواب بتایا۔

میاں صاحبؒ شاہ پور میں تھے ان کے خادم احمد الدین شاہ پوری نے اپنے کھیتوں کے بارے میں عرض کیا کہ ''سرکار! چوہے فصل بہت خراب کر رہے ہیں''۔ میاں صاحبؒ نے پوچھا ''تمہاری فصل کہاں ہے؟'' احمد الدین انہیں کھیتوں پر لے گیا۔ میاں صاحبؒ نے صرف اتنا کیا کہ ایک طرف سے کھیتوں میں داخل ہوئے دوسری طرف سے نکل گئے۔ چوہوں نے اس کے بعد کبھی فصلوں کا رخ نہ کیا۔

حافظ غلام یٰسین رمضان میں رات کو قرآن کریم سناتے تھے گرمی کی شدت کے سبب ایک دن انہوں نے روزہ نہ رکھا۔ میاں صاحبؒ نے مسجد کے امام کے نام ایک مراسلہ

بھیجا کہ غلام یٰسین سے کہو وہ رات کو کلام اللہ سناتا ہے دن کو روزہ کیوں نہیں رکھتا۔

''خزینۂ معرفت'' کے مولف صوفی محمد ابراہیم نے خواب میں سنا کہ میاں صاحبؒ اتوار کو قصور آئیں گے رات ۹ بجے کی گاڑی سے۔ سردی کا موسم تھا اتوار کی شام صوفی صاحب نے سات آدمیوں کا کھانا تیار کیا اور سماوار میں چائے بھر لی گاڑی کے وقت وہ چھ سات احباب کے ہمراہ اسٹیشن پر پہنچے۔ گاڑی آئی تو میاں صاحبؒ اترے۔ معانقے کے بعد انہوں نے پوچھا ''صوفی! کس نے خبر دی؟'' صوفی جی نے برجستہ جواب دیا۔ ''تار آ گیا تھا''۔ میاں صاحبؒ کا چہرہ کھل اٹھا۔

ایک بار قصور میں میاں صاحبؒ مولوی فضل حق کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے صوفی محمد ابراہیم نے درخواست کی کہ آج کھانا غریب خانے پر تناول فرمائیے گا۔ میاں صاحبؒ نے مولوی فضل حق کی طرف اشارہ کیا کہ ان سے اجازت لو۔ صوفی صاحب رقم طراز ہیں کہ میں نے مولوی صاحب سے عرض کیا وہ بہت مشکل سے آمادہ ہوئے۔ میاں صاحبؒ کے ہمراہ تین آدمی تھے تاہم صوفی محمد ابراہیم نے گیارہ سیر بیگمی چاول کے پلاؤ زردے کا اہتمام کیا مگر میاں صاحبؒ کے آنے کی خبر سن کر کھیم کرن، للیانی، فیروز پور اور دیگر مضافات سے بہت سے لوگ جمع ہو گئے کھانا نصف آدمیوں کے لیے بھی ناکافی تھا۔ صوفی صاحب بہت گھبرائے میاں صاحبؒ نے بھی ان کی گھبراہٹ محسوس کر لی اور بولے کھانا لے آؤ تاکہ کھلانا شروع کیا جائے۔ کھانا آ گیا میاں صاحب نے دونوں دیگچے اپنے آگے رکھوائے اور حکم دیا کہ تمام حاضرین کو دستر خوان پر بیٹھنے کے لیے کہا جائے۔ حاضرین بیٹھ گئے میاں صاحبؒ اپنے ہاتھوں سے طباق میں چاول ڈالتے جاتے اور خوشی خوشی کہتے جاتے کہ ''چول تو بڑے لمبے ہیں'' جب تمام لوگ کھا چکے تو وہ بولے ''جو قصور والوں کے ڈیرے میں بیٹھے

ہیں انہیں بھی بلاؤ" وہ بھی تقریباً بیس آدمی ہوں گے انہیں بھی میاں صاحبؒ نے کھانا کھلایا پھر صوفی صاحب سے کہا کہ میرے میزبان مولوی فضل حق کے ہاں بھی کچھ بھیجنا چاہیے کوئی دوسو یا اس سے زیادہ آدمی کھا چکے تھے۔میاں صاحبؒ کہنے لگے "اب ہم تو اطمینان سے کھائیں گے کوئی پریشانی نہیں ہے" کھانے کے بعد انہوں نے ہدایت کی کہ دیگچوں میں بچے ہوئے چاول تبرکاً اپنے گھر لے جاؤ۔صوفی صاحب کا عالم دیدنی تھا۔وہ لکھتے ہیں کہ جب میں نے دیگچوں میں جھانک کے دیکھا تو چاولوں میں کوئی کمی نہ تھی۔

ایک بار حکیم احمد علی شرقپور شریف میں میاں صاحبؒ کے ساتھ مراقبے میں بیٹھے تھے۔نیم خوابی کی حالت میں انہیں کچھ ایسا خیال آیا کہ ان کی بیوی زینے سے بری طرح گر پڑی ہے ان کا ارتکاز ٹوٹ گیا۔میاں صاحبؒ نے انہیں پراگندہ و آزردہ دیکھا تو تسلی آمیز لہجے میں کہا "حکیم صاحب! خدا کا فضل ہے کوئی چوٹ نہیں آئی مگر اب آپ کا دل شاید یہاں نہ لگے آپ کو اجازت ہے قصور چلے جائیے" حکیم صاحب کہتے ہیں میں ہر ممکن عجلت سے قصور پہنچا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی وقت زینے سے اترتے ہوئے اہلیہ کا پاؤں رپٹا تھا اور وہ آٹھویں سیڑھی سے نیچے آ گری تھی اور گرتے ہی بے ہوش ہو گئی تھی۔گرتے وقت اسے ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کسی نے اوپر سے اٹھا کر زمین پر رکھ دیا ہو۔

میاں صاحبؒ کا مکان دو منزلہ تھا۔نچلی منزل زائرین کے لیے مخصوص ہو گئی تھی کیونکہ دور دور سے لوگ ان سے ملنے آتے تھے۔خلوت کا موقع انہیں کم ملنے لگا تھا لیکن آنے والوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے ان کی پیشانی کبھی شکن آلود نہیں ہوئی نہ ان کی عبادت و ریاضت میں کوئی فرق آیا۔رشد و ہدایت کا درجہ بھی عبادت سے کم نہیں۔میاں صاحبؒ ہمیشہ دوزانو بیٹھتے تھے لوگوں کو بھی ان کی یہی تلقین تھی۔چٹائی کے تنکے توڑنے والے کو وہ ٹوک

دیتے تھے۔عشاء کی نماز اکثر وہ آخر وقت میں پڑھتے تھے۔مہمانوں کو کھانا کبھی عشاء سے پہلے کھلایا جاتا کبھی بعد میں اگر کوئی رات کے بارہ بجے بھی آجاتا تو کھانا موجود رہتا۔رات کے تقریباً بارہ بجے تک لوگوں کا جمگھٹا رہتا اور درجہء سالک،منازل سلوک،شریعت و سنت عقائد و اعمال،توفیق و استطاعت،استقامت علی الحق،جبر و قدر،شیخ کا مقام،فنا و بقاء استعانت،جہاد بالنفس،کفر و الحاد،زندقہ،ذکر خفی وغیرہ کے موضوعات پر گفتگو ہوتی۔تہجد کی نماز وہ گھر میں ادا کرتے تھے،فجر کے وقت مسجد میں چلے جاتے۔نماز عموماً ان کے چچا حمید الدینؒ پڑھاتے تھے۔کبھی وہ نہ آپاتے تو میاں صاحبؒ ہی امامت کرتے۔ پھر درود شریف خضری تمام احباب کے ساتھ مل کر پڑھتے۔اشراق کی نماز کے بعد وہ بچوں کو قرآن حکیم کا درس دیتے۔مختلف عمروں کے لوگوں کو الگ الگ درس دیتے تھے۔گیارہ بجے تک یہ سلسلہ جاری رہتا پھر وہ مہمانوں کو کھانا کھلاتے۔ کھانا خود اٹھا کر لاتے اور اپنے ہاتھ سے سالن رکابی میں ڈالتے رہتے مہمانوں کے ہاتھ بھی وہ خود دھلاتے تھے اگر دستر خوان پر کسی کا پاؤں آجاتا تو سخت ناراض ہوتے طعام کے دوران سوکھی جلی ہوئی اور باسی روٹی اپنے لیے الگ کر لیتے ہر لقمے کے ساتھ بسم اللہ پڑھتے اور آہستہ آہستہ کھاتے۔کھانے کے بعد ہاتھ اٹھا کے دعا پڑھتے۔پھر ظہر کی نماز سے کچھ پہلے قیلولہ کرتے۔ظہر اور عصر کی نماز اول وقت میں ادا کرتے تھے۔وضو میں لوگ پانی ڈالنے کے لیے کوشاں رہتے تھے مگر وہ انکار کر دیتے۔وضو کے دوران انہیں بات کرنا بھی پسند نہیں تھا۔مغرب کی نماز کے بعد مسجد کی چھت پر جا کر وہ چھ رکعت نفل ادا کر کے وظیفہ پڑھنا شروع کر دیتے۔تمام لوگ صفیں باندھ کر بیٹھ جاتے ان کے ساتھ اکیاسی مرتبہ سورہء فاتحہ کا ورد کرتے اور آیہ کریمہ کا وظیفہ بھی جاری رہتا۔سوتے

وقت بھی ان کا یہی معمول تھا۔ تیسرا کلمہ وہ کبھی بلند آواز سے پڑھتے کبھی آہستہ۔ سفر میں بھی تراویح کی پوری رکعتیں ادا کرتے۔ میاں صاحبؒ ختم قرآن کے شبینہ میں بڑے ذوق وشوق سے شریک ہوتے تھے۔ قبرستان جانا بھی ان کا معمول تھا لیکن وہ کسی قبر کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ راستے میں پڑے ہوئے اینٹ اور پتھر ہمیشہ ایک طرف کر دیتے۔ موٹا لباس پہنتے اکثر دیسی گھٹی کا کپڑا استعمال کرتے۔ پگڑی کے ساتھ انہوں نے ہمیشہ ٹوپی استعمال کی۔ کبھی خدا اور آخرت کے سلسلے میں شک کرنے والے لوگ بھی ان کے پاس آتے۔ میاں صاحبؒ ان کی آمد سے خوش ہوتے اور عقل اور منطق کی زبان میں ان سے گفتگو کرتے۔ عموماً یہی ہوتا کہ لوگ اپنے ذہن کی گتھیاں سلجھا کے اور جالے دور کر کے وہاں سے رخصت ہوتے۔ میاں صاحبؒ کی زندگی ان کے لیے بجائے خود ایک دلیل تھی، ایک یقین۔ ان کے تذکروں میں ایسے لوگوں کی ایک طویل فہرست درج ہے جو میاں صاحبؒ کے خضر کدے سے یقین کی دولت سمیٹ کے جاتے اور یقین تو بہت بڑا سکون ہے چاہے وہ کیسا بھی ہو۔

گوجرانوالہ کے قریب ایک گاؤں ہے۔ کیلیاں والا اب اسے حضرت کیلیاں والا کہا جاتا ہے۔ وہاں کے رہنے والے ایک خوب، رو خوش الحان جوان سید نور الحسن شاہ شیعہ مذہب کے عالم تھے۔ نور الحسن شرقپور آئے ہوئے تھے اور کسی مکان میں مرثیہ خوانی کر رہے تھے کہ میاں صاحبؒ کا گزر اس گلی سے ہوا۔ آواز سن کے میاں صاحبؒ رک گئے اور بے ساختہ بولے کیا بھلی آواز ہے۔ اتفاق سے ایک روز بازار میں دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ میاں صاحبؒ نے نور الحسن شاہ کے قریب جا کے پوچھا "کیا نام ہے تمہارا؟" انہوں نے بتایا "نور الحسن" میاں صاحب نے برجستہ کہا۔ تمہیں نور الحسن بنا دیں؟ سن کے نور الحسن مسکرائے اور

آگے بڑھ گئے مگر قرار چھن چکا تھا، کسی پہلو آرام نہ آتا تھا، قلب و جاں پر گریہ طاری تھا، اپنے گاؤں واپس گئے تو بے چینی اور بڑھ گئی، میاں صاحبؒ کے الفاظ کانوں میں گونجتے رہتے "تمہیں نورالحسن بنادیں؟" ہوتے ہوتے اضطراب ضبط سے باہر ہو گیا۔ آخر انہوں نے شرقپور کی راہ لی۔ جا کے میاں صاحبؒ کے قدموں میں گر پڑے میاں صاحبؒ نے انہیں سینے سے لگایا اور حلقہء ارادت میں داخل کر لیا۔ پھر نورالحسن اسی آستانہ کے ہو کے رہے اور میاں صاحبؒ سے تربیت حاصل کرتے رہے۔ کچھ میاں صاحبؒ کی خصوصی توجہ اور کچھ میاں نورالحسن کا شوق بہت جلد سلوک کی منازل طے ہو گئیں اور وہ میاں صاحبؒ سے خلافت لے کے رخصت ہوئے میاں صاحبؒ سے قربت رکھنے والے اوران کے تذکرہ نگار کہتے ہیں کہ میاں نورالحسنؒ کی دنیا ہی بدل گئی انہوں نے ہر مرحلے پر خود کو میاں صاحبؒ کا سچا جانشین ثابت کیا اور سلوک میں بڑا مرتبہ حاصل کیا۔

کرموں والا فیروز پور کے سید اسماعیل شاہ بخاری کا حال بھی کچھ یہی ہے چھوٹی عمر میں ان کی نسبت تونسہ کے فیض یافتہ چشتی بزرگ مولانا شرف الدینؒ سے ہو گئی تھی پھر حصول علم کے لیے انہیں مولانا وصی احمد محدث (سورتی) کے پاس بھیج دیا گیا۔ ان کے علاوہ بھی وہ مختلف علماء سے فیض پاتے رہے علم طب میں انہوں نے خاص مہارت حاصل کی۔ اس دوران وہ گھر سے دور رہے تھے واپس آئے تو مولانا شرف الدینؒ کا انتقال ہو چکا تھا۔ اسماعیل شاہ بخاریؒ کا رجحان طبع سب سے مختلف تھا۔ رہبری کے لیے انہیں کسی مرشد کامل کی تلاش تھی بہت سے بزرگوں کے پاس گئے مگر سب انکار کرتے رہے کہ تمہارا حصہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ تمہاری استعداد زیادہ ہے تم کسی صاحب مقام کا حصہ ہو۔ آخر ایک مجذوب نے شرقپور کی جانب رہنمائی کی۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ دور دور میاں

صاحبؒ کے علم وکمال کا شہرہ ہو چکا تھا۔ پیر سید اسماعیل شاہ بخاریؒ کہتے ہیں کہ میاں صاحبؒ سے مل کر مجھے کچھ آسودگی حاصل ہوئی میاں صاحبؒ نے فرمایا تو پھر کہاں سے آنا ہوا؟ میں نے عرض کیا کرموں والے سے میاں صاحبؒ نے فرمایا تو پھر کرماں والے ہوئے بعد میں میاں صاحبؒ کی زبان سے ادا ہونے والا یہ جملہ زبان خلق پر جاری ہو گیا۔ پیر سید اسماعیل شاہ بخاریؒ نے کرماں والے کے لقب سے ہندوستان بھر میں محبت و مرتبت حاصل کی۔

فیروز پور اور نواح سے آنے والے لوگوں سے میاں صاحبؒ کہا کرتے تھے شرقپور آنے کی کیا ضرورت تھی وہاں کرماں والا موجود ہے اسی سے مل لیا کرو۔ ادھر کرماں والے کا یہ حال ہے کہ جب کبھی مرشد کی قدمبوسی کا ارادہ ہوتا فیروز پور سے رائے ونڈ تک ریل میں سفر کرتے اور وہاں سے باقی سفر پیدل طے کر کے شرقپور شریف پہنچتے۔ شرقپور کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی وہ ادب سے خاموشی اختیار کر لیتے اور جب تک مرشد کے پاس بیٹھے رہتے نگاہ اوپر نہ کرتے۔

میاں صاحبؒ شرقپور والوں ہی کے ہو کے رہ گئے تھے۔ ان کی زندگی کا بیشتر حصہ اسی زمین اور اس کے لوگوں کے درمیان گزرا۔ ان کی نسبت سے شہر شرقپور مشکل کشائی غمگساری اور پناہ گاہ کی علامت بن گیا تھا۔

کیسا بھی موسم اور کیسا بھی وقت ہو شرقپور شریف کے اطراف سے آنے والوں کی تعداد کم نہ ہوتی تھی میاں صاحبؒ نے سفر کم کیے لوگ جانے ہی نہ دیتے تھے اور خود انہیں اپنے معمولات کا بڑا خیال تھا تاہم قصور پابندی سے جاتے تھے اور لاہور میں حضرت داتا گنج بخشؒ اور حضرت شاہ محمد غوثؒ کے ہاں جانا بھی معمول بن گیا تھا۔ دلی کے خواجہ باقی باللہؒ اور سرہند کے حضرت مجدد الف ثانیؒ سے انہیں خاص علاقہ تھا۔ کئی بار دلی گئے پانی پت اور ملتان

کا سفر بھی کیا۔ اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلویؒ سے ملنے بریلی بھی گئے تھے۔ اپنے دادا پیر حضرت قاضی احمدؒ کی زیارت کے لیے سندھ کا دورہ بھی کیا۔ پشاور جاتے رہتے تھے اور دو مرتبہ گولڑہ بھی ٹھہرے تھے اور حضرت پیر مہر علی شاہؒ سے ملاقات کی تھی۔ مریدوں کے پاس جا کے ٹھہرنا انہیں پسند نہ تھا ان کے ارادت مندوں میں چند ہی کو اپنے مرشد کی مہمان نوازی کا موقع ملا تھا۔

ہر نفس کے لیے موت کا ذائقہ نوشتہ ہے۔ ادھر شرقپور شریف کے لوگ سوچنے لگے کہ اگر میاں صاحبؒ ان کے درمیان موجود نہ رہے تو؟ مرشد کی جدائی کا تصور ہی حلقہ بگوشوں کے لیے سوہان روح تھا۔ ایک دن انہوں نے مل کر جرأت کی اور جھجکتے ہوئے دریافت کیا کہ سرکار نے اپنے جانشین کے بارے میں غور فرمایا؟ اولاد آپؒ کی حیات نہیں۔ بیٹے آپؒ کے ہاتھوں میں دم توڑ گئے، بیٹی جوانی میں چل بسی! آپ کے بعد یہاں مسند نشین کون ہوگا ؟اس بارے میں کچھ تو سوچا ہوگا؟ میاں صاحبؒ نے سکون سے سنا اور بولے "ہاں سوچا ہے تم لوگ ہمارے بھائی کو بھول گئے؟"

لوگوں نے ان کا چہرہ دیکھا اور عرض کیا "مگر وہ تو اس طرف مائل معلوم نہیں ہوتے۔ بے شک وہ نہایت سلیم الطبع، شگفتہ مزاج اور صاحب نظر ہیں لیکن ان کا رجحان تو حکمت کی طرف ہے بلکہ کچھ یوں ہے کہ آپؒ کے فضل و کمال کے چرچے سن کے وہ مسکراتے ہیں"۔

میاں صاحبؒ نے جواب دیا "ہاں مجھے معلوم ہے لیکن میں نے اسی کے بارے میں فیصلہ کیا ہے" لوگ خاموش ہو گئے۔

پھر ایک روز چھوٹے بھائی میاں غلام اللہؒ نے بڑے بھائی میاں شیر محمدؒ سے خود کہا

کہ ”بھائی تجھے لوگ ولی مانتے ہیں کیا تو واقعی اتنا بڑا ولی ہے جو تیرے دروازے پر ہمیشہ ایک خلقت منتظر رہتی ہے مجھے بھی تو کچھ دکھا“۔ کہا جاتا ہے میاں غلام اللہؒ نے یہ شکایت بھی کی تھی کہ اگر مجھ پر توجہ دی ہوتی تو آج مجھے لوگ چھوٹے میاں صاحبؒ کی عزت دیتے۔

میاں صاحبؒ نے اپنے چھوٹے بھائی کو جواب دیا ”تم میری طرف آتے ہی کہاں ہو آیا کرتے تو کچھ سمجھتے بوجھتے بھی لیکن اب بھی کیا گیا ہے جستجو ہی کی تو بات ہے۔ توجہ جستجو سے مشروط ہے“۔

جمعہ کا دن تھا نماز سے کچھ پہلے میاں غلام اللہؒ مسجد میں داخل ہوئے اور وضو کیا ، دونوں بھائیوں کا آمنا سامنا ہوا۔ میاں صاحبؒ نے پہلی مرتبہ آپؒ کو توجہ سے دیکھا۔ میاں غلام اللہؒ کا عجب حال ہوا۔ کھڑے کھڑے گر پڑے اور فرش پر لوٹنے لگے چشمہ دور جا گرا گھڑی ٹوٹ گئی، انہوں نے گریبان چاک کیا اور دیوانوں کی طرح بھائی کے پاؤں پکڑنے لگے۔ پھر ہذیانی انداز میں بولے ”بھائی! تو تو میرا رب ہے تو تو خدا ہے“۔ میاں صاحبؒ کے اشارے پر احباب بے حال غلام اللہؒ کو مسجد کی چھت پر چھوڑ آئے میاں صاحبؒ نے جمعہ ادا کیا اور سنتیں پڑھ کے اوپر گئے تو بھائی کا وہی عالم تھا لبوں پر وہی تکرار کہ ”تو تو خدا ہے، تو تو میرا رب ہے تو نے مجھے بھی رب بنا دیا ہے، بس کر“ میاں صاحبؒ نے انہیں فرش سے اٹھا کے سینے سے لگایا متلاطم سمندر کو قرار آ گیا۔ میاں غلام اللہؒ نے اس روز کے بعد بھائی کا ہاتھ نہیں چھوڑا نماز میں میاں صاحبؒ کے پیچھے کھڑے ہوتے تو دامن پکڑ لیتے اور کہتے ”جیسی نماز خود پڑھتے ہو مجھے بھی ویسی ہی سکھاؤ۔ میں یہ نماز نہیں پڑھتا“ میاں صاحبؒ نے بھی اس دن کے بعد سے اپنے بھائی کو نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیا وہ اپنا ورثہ بھائی کو منتقل کرتے رہے اور بھائی نے ایک امین ایک اہل وارث اور طلب گار کی حیثیت سے سب کچھ

سینے سے لگایا۔ ہر واقعہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے گزرتا تھا ایک دنیا نے دیکھا تھا کہ میاں غلام اللہؒ کی زندگی میں کیسا تموج یکا یک رونما ہو گیا ہے وہ تو پہچانے ہی نہیں جاتے تھے ۔کبھی اپنے بھائی سے اتنے دور ایسے مختلف نظر آتے تھے مگر اب تو کوئی بُعد ہی نظر نہ آتا تھا۔ وہ بالکل اپنے بھائی کی تصویر بن گئے تھے میاں صاحبؒ کے متوسلین نے میاں غلام اللہؒ کو حضرت ثانی لا ثانیؒ کا لقب دیا تھا۔ خود میاں غلام اللہؒ کہا کرتے تھے کہ میرے بھائی نے میرا ہاتھ براہ راست سیدنا صدیق اکبرؓ کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔ نقشبندی سلسلہ سیدنا صدیق اکبرؓ تک دراز ہے۔ کہتے تھے کہ میں تو بالکل اندھیرے میں تھا میرے بھائی نے مجھے روشنی میں لا کھڑا کیا۔ میں تو اندھا تھا بھائی نے مجھے بینائی عطا کی۔

یہ زمانہء رفتہ کی کوئی داستان نہیں ہے یہ سطور رقم کرتے وقت ممکن ہے گنتی کے وہ چند لوگ ابھی حیات ہوں جنہوں نے شرقپور شریف کے بے تاج بادشاہ شیر محمدؒ کو دیکھا ہے اور اس کے عہد کے گواہ ہیں پنجاب بھر میں کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جہاں میاں صاحبؒ کے مرید اور ارادت مند موجود نہ ہوں۔ ان کی بارگاہ میں طرح طرح کے لوگ آتے تھے۔ سنگ دل بھی اور سیاہ باطن بھی۔ ان کے پاس بیٹھ کے اور ان کی زبان سے کلمہ حق سن کے وہ ایسے از خود رفتہ ہو جاتے کہ ساری دنیا ہیچ نظر آنے لگی ان کے طور طریق ایسے والہانہ ہوتے کہ گزرے دنوں کی یاد تازہ ہو جاتی۔ میاں صاحبؒ کے متوسلین کی اس جاں سپار جماعت نے خون کے رشتے اور دنیوی معاملات دوسرے برتر انسانی رشتوں پر تج دیے تھے۔ یہ جماعت بازاروں سے گزرتی تو ایسا معلوم ہوتا جیسے فرشتے گزر رہے ہوں جنہیں خدا نے زمین کی تطہیر کے لیے بھیجا ہو۔ شاہوں کی سی بے نیازی اور فقیروں کی سی کج کلاہی کہتے ہیں کہ قرن اول کی سی شریعت و سنت کا نقشہ دیکھنا ہو تو میاں صاحبؒ کے متوسلین کو دیکھ لیجیے سفید لباس، روشن

چہرے، جھکی ہوئی نگاہیں، لوگ دور سے پہچان لیتے تھے کہ میاں شیر محمدؒ کے غلام جارہے ہیں میاں صاحب نے انہیں سنت کے سوا کوئی اور نکتہ تعلیم نہیں کیا۔ انکسار، تپاک، مروت، ایثار، تبلیغ اور عبادت ہی ان کا اوڑھنا بچھونا تھا ہادی کی تعلیم تھی کہ بازار سب سے بری جگہ ہے۔ ان راستوں سے گردن ڈالے گزرا کرو انہوں نے پندونصائح سے دلوں کو اتنی ٹھنڈک پہنچائی تھی کہ دنیوی حرارت معدوم ہوگئی تھی۔

میاں صاحبؒ نے تصوف اور دینیات کی بعض نادر و نایاب کتابوں کی اشاعت کا اہتمام بھی کیا تھا۔ ان کتب میں سید امام علی شاہؒ کی فارسی تصنیف ''مراۃ المحققین'' بھی شامل ہے اس کے سرورق کی انہوں نے خود خطاطی کی تھی کتاب کی ابتداء میں مترجم کے اصرار پر اس کی کہی ہوئی ایک نظم بھی شائع ہوئی تھی جس کے ہر شعر کے پہلے حروف کی ترتیب سے مولوی شیر محمد شرقپوریؒ کا نام بنتا ہے۔ مترجم نے اس شاعرانہ کمال کا اس لیے مظاہرہ کیا تھا کہ میاں صاحبؒ کو کتاب میں اپنا نام لکھوانا پسند نہیں تھا۔ حکایت الصالحین کی نو سو صفحات پر مشتمل کتاب بھی میاں صاحبؒ کی مساعی سے اشاعت پذیر ہو سکی۔ اس کے علاوہ اپنے پیر و مرشد کی کتاب ''ربع مع مطالب'' اور ''چشمہء فیض'' بھی انہوں نے طبع کرائی تھی۔ تفسیر، حدیث اور فقہ کی بعض اہم کتابیں خرید کر وہ یوں بھی طالبان علم میں تقسیم کرتے رہتے تھے۔ کتابوں کی اشاعت اور تقسیم کے علاوہ انہوں نے کئی مساجد بھی تعمیر کرائیں۔ ان کی نشست گاہ کے قریب جو پرشکوہ مسجد بنی ہوئی ہے اسے انہوں نے از سر نو تعمیر کرایا تھا۔ اس زمانے میں اس کی تعمیر پر پچیس ہزار روپے صرف ہوئے تھے۔ لوگ تعجب کرتے تھے کہ اتنی جلدی یہ کس طرح تعمیر ہوگئی۔ میاں صاحبؒ جواب دیتے تھے ''مجھے یقین ہے اس کی ایک اینٹ معمار لگاتے تھے اور دو اینٹیں فرشتے لگاتے ہوں گے'' شرقپور شریف کے محلّہ نبی پورہ قبرستان ڈاہراں والا

اور محلّہ دھدل پورہ کی مساجد کے علاوہ اپنے پیر خانے کوٹلہ پنجو بیگ میں ایک عظیم الشان مسجد میاں صاحبؒ کی کاوشوں کا ثمر ہے۔

سر محمد شفیع کی والدہ میاں صاحبؒ کی خالہ تھیں کبھی لاہور میں ان کے ہاں جا کے ٹھہرتے تو خالہ سے کہتے۔ خالہ یہ تمہارا بیٹا کیسا ہے اس "سر" کی داڑھی سینے پر پڑتی اور وائسرائے کی کونسل میں بیٹھا ہوتا تو کیسا وجیہ اور دل کش نظر آتا۔ سر محمد شفیع ایک دن مسجد میں ان کے قریب بیٹھے تھے میاں صاحبؒ کہنے لگے "محمد شفیع! تیرا نام کتنا اچھا ہے مگر افسوس تجھے اس نام سے پکارنے کو دل نہیں کرتا کچھ اپنے نام ہی کی شرم کرو کچھ سوچو سمجھو تمہارے باپ کی شکل کیسی تھی وہ شکلیں تمہیں بری لگتی تھیں؟ اصل میں انہی کا سارا قصور ہے نہ تمہیں افرنگ بھیجتے نہ تم اپنی شکل بگاڑتے۔ انہوں نے تمہیں اس حلیے میں گھر گھسنے ہی کیوں دیا" میاں صاحبؒ شریعت وسنت کی بات کہتے ہوئے کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے چاہے وہ حاکم ہو یا ان کا خالہ زاد بھائی۔

علامہ اقبال بھی، سنا ہے ایک مرتبہ ان کی زیارت کو آئے تھے۔ میاں صاحبؒ اس وقت کہیں باہر آئے تھے۔ علامہ کو دیکھ کر اندر چلے گئے لوگوں نے اندر جا کے کہا اقبال آئے ہوئے ہیں تو باہر نکلے اور دہلیز پر کھڑے بولے "آج مجھ سا کون ہوگا جس کے پاس اقبال آیا ہے" جملہ ذومعنی تھا علامہ اقبال کے آنسو رواں ہو گئے میاں صاحب نے نہایت شفقت ومحبت سے بعض شرعی امور پر انہیں توجہ دلائی۔ کہتے ہیں علامہ اقبال جتنی دیر بیٹھے رہے روتے رہے۔ علامہ اقبال کو اس بات کا بہت قلق رہا کہ وہ میاں صاحبؒ سے ان کے اواخر عمر میں ملے۔

عمر تریسٹھ برس کی ہو گئی تو ضعف ونقاہت نے آلیا۔ تاہم پنجگانہ نماز با جماعت ادا

کرتے تھے۔نقاہت کے سبب صرف جمعہ پڑھاتے تھے کچھ دنوں میں یہ صورت بھی نہ رہی نقاہت بڑھتی گئی یہاں تک کہ اٹھنا بیٹھنا مشکل ہو گیا۔ارادت مندوں کے لیے یہ صورت حال نہایت تکلیف دہ تھی۔مسجد آنا جانا بھی بند ہو گیا۔جمعہ کی نماز کا سلسلہ بھی جاری نہ رہ سکا۔جمعہ کو لوگ انہیں منبر پر نہ دیکھ کے زار زار روتے تھے۔ان کی طبیعت بہت بگڑ گئی تو اطباء نے انہیں آب و ہوا کی تبدیلی کے لیے کشمیر جانے کا مشورہ دیا۔احباب نے زور دیا لہٰذا وہ سید نورالحسن شاہ اور دیگر خدام کے ساتھ سری نگر چلے گئے لیکن وہاں طبیعت نہیں لگی۔چار روز بعد ہی انہوں نے واپسی کا ارادہ کر لیا۔سری نگر میں ایک نومسلم انگریز ہیری صاحب کے ہوٹل میں ٹھہرے تھے۔ہیری صاحب کو تار دے کر گلمرگ سے بلوالیا گیا تھا۔احباب واپسی سے ناخوش تھے لیکن چون و چرا کی گنجائش نہ تھی لوٹنا ہی پڑا۔راولپنڈی پہنچے تو بے حد شدید بارش ہوئی۔سری نگر کے راستے بند ہو گئے،وہ تین ماہ تک درست نہ ہوئے اب لوگ سمجھے میاں صاحبؒ کو واپسی کی جلدی کیوں تھی دیر ہو جاتی تو لوٹنا ممکن نہ رہتا۔

میاں صاحبؒ سری نگر سے لاہور آ کے اپنے خالہ زاد بھائی محمد شفیع کے ہاں ٹھہر گئے تھے۔لاہور کے ممتاز اطباء نے تپ محرقہ تشخیص کیا تھا،علاج معالجے سے کوئی افاقہ نہ ہوا۔غنودگی اور غشی کے دورے پڑتے رہے۔ذرا افاقہ ہوتا تو قرآنی آیات اور درود شریف کے سوا زبان سے کوئی کلمہ نہ نکلتا۔کمزوری سے زبان لڑکھڑانے لگتی تھی مگر سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص صحیح پڑھتے تھے کوئی دو ماہ پہلے انہوں نے پنجابی کے بجائے اچانک اردو کلام شروع کر دیا۔حالانکہ اس سے قبل صرف پنجابی بولا کرتے تھے۔ اب بے ہوشی کے عالم میں اردو ہی بولتے۔سننے والوں کا کہنا ہے کہ بیس روز تک مسلسل یہ کہتے رہے کہ "ہم مکان شریف میں ہیں" مکان شریف ان کے مرشد کا پیر خانہ تھا۔میاں

صاحبؒ ملول تھے کہ میری عمر سید عالم ﷺ کی عمر سے دو سال کیوں بڑھ گئی؟ اب وہ ۶۵ برس کے ہو چکے تھے۔

پھر وہ وقت آیا کہ نماز اشاروں کے سوا ممکن نہ رہی۔ ایک روز طبیعت کچھ سنبھلی ہوئی تھی کہ انہوں نے اپنے بھائی میاں غلام اللہ کو بلایا۔ سید نور الحسن شاہؒ اور بابا عبداللہ فیروز پوری پہلے سے موجود تھے۔ ان کے سامنے میاں صاحبؒ نے بھائی سے کہا کہ ''در پہ آنے والوں کی خدمت میں کبھی کوتاہی نہ کرنا اور جمعہ خود پڑھانا۔ یاد رکھو سنت کا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے'' یہ کہہ کر عصا ٹیکتے ہوئے گھر داخل ہوئے۔ انہوں نے سب کو پیار کیا، سلام کیا اور الوداع کہتے ہوئے بولے ''اب ڈاہراں والا جانا چاہتا ہوں'' اور ان کی یہ خواہش دو دن بعد پوری ہوئی۔

پیر کا دن تھا ۱۳۴۷ھ ربیع الاول کا تیسرا اور اگست ۱۹۲۸ء کا بیسواں دن تھا۔ دن جیسے جیسے چڑھتا گیا ان پر غشی غالب ہوتی جاتی۔ کہنے لگے آج رخصت کا دن ہے۔ شرقپور کا ہر فرد نم آنکھیں لیے پھرتا تھا۔ قریب بیٹھے ہوئے افراد سورہ اخلاص کی تلاوت سن رہے تھے۔ میاں صاحبؒ خود تلاوت کر رہے تھے۔ عشاء کے بعد انہیں ہچکیاں آئیں۔ رات کی مسیں بھیگی ہی تھیں۔ کوئی ساڑھے گیارہ کا عمل ہوگا۔ میاں صاحبؒ نے آنکھیں بند کرلیں۔

ع خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

رات ہی کو انہیں غسل دیا گیا۔ رحلت کی خبر سن کے شرقپور میں جیسے ہڑتال ہوگئی۔ گرمی شدید اور حبس کی سی کیفیت تھی۔ لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ مسلم، غیر مسلم سبھی اشک بار تھے۔ کچھ لوگ دیواروں سے سر ٹکرا رہے تھے۔ کچھ روتے روتے بے ہوش ہو گئے

تھے۔۔۔سوگواروں سے شرقپور کے گلی کوچے تنگ پڑ گئے دوسرے دن سہ پہر کو جنازہ اٹھا۔ میت کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ دیے گئے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ کندھا دے سکیں۔رونے والے اتنے دردو کرب سے رو رہے تھے کہ دل پھٹے جاتے تھے۔آسمان سے بھی نہ رہا گیا۔گرجتا برستا رہا۔پھر ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ شرق پور کے لوگوں نے کم ہی دیکھی ہوگی۔جنازہ ساڑھے چھ بجے شام ڈاہراں والا قبرستان پہنچ پایا۔

ان کے پیرو مرشد بابا امیر الدینؒ کہتے تھے اگر مجھ سے رب نے پوچھا کہ دنیا سے میرے لیے کیا لایا ہے تو میں شیر محمدؒ کو سامنے کر دوں گا۔

سوز دل

حکیم علی احمد نیر واسطی

حضرت میاں صاحب کے جنازے کا منظر دیکھ کر حکیم علی احمد نیر واسطی مرحوم نے مندرجہ ذیل سوز دل لکھا ہے۔

شان وشوکت سے یہ کس دولہا کی آتی ہے برات　　تھرتھراتے ہیں فرشتے کانپتی ہے کائنات

ہر زبردست اس کی سطوت کے مقابل زیر ہے　　یہ کوئی شاید محمد کا بہادر شیر" ہے

آج اٹھی ہے یہ کس عاشق کی میت دھوم سے　　وصل ہے کس کا خدائے قادرو قیوم سے

کس جنید وقت کی میت چلی آتی ہے یہ　　قدسیوں کو عصمت وعفت میں شرماتی ہے یہ

لوگ کہتے ہیں ہوا شیر محمد کا وصال　　اٹھ گئے گویا ابوذر ہو گئے رخصت بلال

اب یہ شکلیں پھر نہ دکھلائے گی دنیا دیکھ لو　　مصطفٰی کے عاشقوں کی شکل زیبا دیکھ لو

ملت مرحوم کے ماتم میں اب روئے گا کون اے　　دامنوں سے داغہائے معصیت دھوئے گا کون

زمین شرقپور شیر الٰہی کی کچھار !　　دفن ہوتا ہے تیری مٹی میں شیر کردگار !

ہے دعا نیر کی برسے تجھ پہ بدلی نور کی　　ہو ہمیشہ تجھ پہ نور افشاں تجلی طور کی !

طریق تبلیغ و تربیت

(اقتباسات از خزینہ معرفت)

حضرت میاں شیر محمد صاحب شرقپوری ؒ تبلیغ مختلف صورتوں میں فرمایا کرتے تھے۔ عوام کو موٹی موٹی مثالیں دے کر سمجھایا کرتے اور خواص کو ان کی سمجھ کے مطابق بیان کرتے۔ علماء کو قرآن اور حدیث سے تبلیغ فرماتے اور غیر مسلموں کو ان کے بزرگوں کے حالات سنا کر تبلیغ فرماتے۔ عوام کے روبرو باوا فرید شکر گنجؒ کا قول پڑھ کر سناتے۔ قول (شعر)

اٹھ فریدا کوک توں جیوں کر راکھا جوار

جب تک ٹانڈا نہ گرے تب تک حال پکار

(اس کا مطلب یہ ہے کہ مرنے سے پہلے پہلے خداوند کریم کی یاد کر) جس وقت کوئی خاص لوگ حاضر خدمت ہوتے جو علم دنیوی سے واقف ہوتے آپ ان سے دریافت فرماتے کہ تم علم طبیعیات پڑھے ہوئے ہو۔ وہ عرض کرتے کہ حضور پڑھے ہوئے ہیں آپ فرماتے تمہارا ایمان تو بڑا کامل ہوگا کیونکہ سب چیزوں کی تاثیرات سے آپ واقف ہیں۔ یہ تاثیر ان چیزوں میں کس نے پیدا کی؟ اگر کوئی علماء کی جماعت میں سے آتے آپ قرآن مجید کو پکڑ لاتے اور انہیں قرآن مجید کی آیتیں دکھاتے جو آیتیں ذکر کے متعلق ہوتیں انہیں دکھاتے اور فرماتے فقیر اور صوفی لوگ کیا بتلائیں گے قرآن مجید میں جابجا ذکر کی خداوند کریم نے آیتیں بیان فرمائی ہیں اور آیات پڑھ پڑھ کے سناتے اور توجہ ذکر کی طرف دلاتے اور فرماتے علماء اور فقراء کو چاہیے کہ حق کی بات کہنے سے خوف نہ کریں۔ حدیث شریف میں آیا ہے حق کہنے سے تیری اجل قریب نہ ہو جائے گی اور تیری روزی بند نہ ہوگی۔ بعض علماء کو سختی سے

سمجھاتے اور فرماتے تم نے تو دین کو کھیل بنا چھوڑا ہے جس وقت کوئی خاص الخاص یار آتے تو ان کو خاص ہی طرح توجہ سے سمجھاتے۔

(موءلف) ایک عبارت نقل کرتا ہوں جس کے آپؒ پوری طرح عامل تھے اور یہی ہدایات فرمایا کرتے تھے کہ درویش اور فقیر کو چاہیے کہ ان صفتوں سے متصف ہو۔ حضور پرنور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ تنگ دست پارسا کو دوست رکھتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "اے بلال! تو اس بات کی کوشش کر اور اس فکر میں لگا رہ کہ جب تو اس جہان سے کوچ کرے تب تیری حالت درویشی کی ہو نہ کہ تونگری کی" اور آپ فرماتے کہ "میری امت کے درویش اور فقیر جنت میں پانچ سو سال پہلے امیروں، تونگروں سے جائیں گے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت میں سب سے بہتر درویش اور فقیر لوگ ہیں اور فرمایا دو پیشے ہیں اب جو کوئی میرے ان دو پیشوں کو اختیار اور پسند کرے گا اور محبوب رکھے گا تو گویا اس نے مجھے پسند رکھا ان دو پیشوں میں سے ایک پیشہ درویشی اور فقیری اور دوسرا پیشہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ روایت ہے حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اے احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیک وسلم اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ پر سلام بھیجا اور ارشاد فرمایا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیک وسلم کو منظور ہو تو تمام روئے زمین کے پہاڑوں کو سونے کا بنا دیا جائے اور جہاں کہیں آپ کی مرضی ہو ساتھ ساتھ وہ سونے کے پہاڑ ہمراہ رہیں۔ تب حضور نے فرمایا کہ اے جبریل دنیا بے ثباتی کی جگہ ہے اور اس کا مال بے مال والوں کے لیے ہے اور دنیا میں مال جمع کرنا بے عقلوں کا کام ہے۔ تب جبریل علیہ السلام نے کہا یا رسول اللہ! سبحان اللہ آپ نے خوب فرمایا۔

بڑے بڑے بی اے، ایم اے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو جب آپ ان

کی حجامت دیکھتے تو ان کے کرزن فیشن بال پکڑ کر خوب ہلاتے اور فرماتے کیا تمہارے باپ کی شکل بھی ایسی تھی۔ داڑھی منڈی ہوئی اور ایسے ہی بال تھے کیا تم کو اپنے باپ کی شکل بری معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے سکھ بھائی تو ایسا نہیں کرتے۔ انہیں تو جوان کے گرو صاحب نے تعلیم دی ہے ان پر کیسا عمل کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو کیا ہو گیا۔ ہمارا خداوندی قانون کیا کم ہے۔ کیا سکھوں کو نوکری نہیں ملتی افسوس تو اس بات پر ہے کہ مسلمان قیدیوں کی حجامت میں داڑھی مونڈ دیتے ہیں مگر سکھوں کو کوئی بھی نہیں پوچھتا انگریزوں کو بھی معلوم ہو گیا ہے مسلمان اپنے مذہب کے کچے ہیں پھر آپؒ پوچھتے کہ تم نے کتنے سال انگریزی پڑھی ہے؟۔ جواب ملتا کہ پندرہ سال سولہ سال آپؒ پوچھتے بسم اللہ کے معنی بتاؤ تو جواب نفی ملتا۔ پھر آپؒ فرماتے کہ یہ مسلمانوں کے بچے ہیں کہ بسم اللہ کے معنی بھی نہیں جانتے انگریزی کو تو بغیر معنوں کے کوئی نہیں پڑھتا مگر قرآن شریف کو بغیر معنوں کے پڑھتے ہیں انگریزی قانون کو تو ہر ایک جانتا ہے مگر خدائی قانون کی کوئی خبر نہیں کہ قرآن شریف میں کیا حکم ہے۔ اب تو انگریز بن گئے تم لا الہ الا اللہ انگریز رسول اللہ کا حکم پڑھا کرو۔ اکثر تو یہ کر کے جاتے اور جب دوبارہ خدمت میں حاضر ہوتے تو داڑھی رکھی ہوتی اور پابند نماز بلکہ تہجد گزار ہو جاتے۔ آپؒ ان سے بڑا پیار کرتے ۔ آخر کار ہدایت کا نور قلب کا سرور انہیں حاصل ہو جاتا۔ سبحان اللہ۔

ایک دفعہ حجرہ شریفؒ تشریف لے گئے چونکہ یہ جگہ بھی آپؒ کے بزرگوں کا پیر خانہ تھا۔ گدی نشین صاحب کی داڑھی کتری ہوئی اور نماز کے اوقات کی پابندی کا اہتمام نہ تھا اور انہوں نے شکار کے واسطے بندوق اور کتے وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔ حضرت میاں صاحبؒ نے ان سے فرمایا کہ یہ کون سا طریق ہے جو آپ نے اختیار کر رکھا ہے؟ کیا

آپ کے آباؤ اجداد ایسا کیا کرتے تھے یا رسول کریم ﷺ یا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی سنت ہے؟ یہ سن کر وہ بہت شرمندہ ہوئے اور زار زار روئے اور کہا میں نے سب کچھ اپنے بزرگوں کے خلاف کیا ہے اب میری توبہ آئندہ ایسا کام کبھی نہیں کروں گا اور آپؒ کے ہاتھ پر توبہ کی۔

اکثر مولوی صاحبان آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو آپؒ فرماتے کہ اب شریعت کی پابندی کا کیا حال ہے۔ بعض تو کہتے کہ اب تو شریعت کی پابندی کا حال بہت اچھا ہے۔ لوگ نمازیں پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں۔ آپؒ فرماتے کہ آپس میں حقوق کا کیا حال ہے، باپ بیٹے کا دشمن، عورت خاوند کی دشمن، ہمسایہ ہمسایہ کا دشمن، یہ کیا شریعت کی پابندی ہے۔ پھر ان کی آنکھیں کھلتیں اور ہوش آتا، وہ کہتے کہ اب لوگوں نے شریعت اور قرآن شریف کو پس پشت ڈال رکھا ہے۔ پھر آپؒ پوچھتے کہ آیا آج سے بیس سال پہلے لوگوں کا یہ حال تھا؟ صاف جواب ملتا کہ اس سے پہلے آپس میں حمیت تھی، اخلاص تھا، ہمدردی تھی وہ تو اب بالکل مفقود ہیں۔ آپؒ فرماتے یہ سب انگریزیت (عیسائیت) کا اثر ہے۔

ایک دن ایک ریلوے سپرنٹنڈنٹ آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوا داڑھی مونچھ صفاچٹ۔ ٹوپی سر پر۔ آپؒ نے اس سے پوچھا کہ آپ کو کیا تنخواہ ملتی ہے اس نے بتایا کہ ہزار بارہ سو۔ آپؒ نے ایک تھپڑ ایسے زور سے اس کے منہ پر مارا کہ اس کی ٹوپی دور جا پڑی کہ یہ ہزار روپیہ تم کو منکر نکیر سے بچا لیں گے اور پل صراط پر اسی کے سہارے اتر جانا اور حساب کے وقت رشوت دے کر جنت میں چلے جانا یہ مسلمانی ہے، سب انگریز کے بچے ہیں انگلستان میں بن باپ کے ایسے ہوتے ہیں۔

پھر فرمایا میاں قانون خداوند کی پابندی بھی کوئی چیز ہے وہ کون آ کر کرے گا اپنے پیدا کرنے والے کو کچھ تو سمجھو اس پر بہت بڑا اثر ہوا اور آئندہ اپنی حالت سنوار لی۔

حکیم علی محمد صاحب خلف حکیم پیر بخش سکنہ بلو کی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آپؒ نے سخت جذبہ میں فرمایا کہ اب تمارے والد صاحب کس جگہ رہتے ہیں جس سے حاضرین سمجھے کہ شاید واقعی یہ کوئی خبر پوچھ رہے ہیں۔ میں نے عرض کی یا حضرت وہ تو فوت ہو چکے ہیں تب آپؒ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا آدمی فوت بھی ہو جاتے ہیں ؟ اگر ضرور فوت ہو جاتے ہیں تو یہ دنیا باطل ٹھہری، پھر اس کے ساتھ صحبت کیسی، بس یہی کلید معرفت ہے۔ آدمی کو یقیناً فنا ہونا ہے۔ اور عند اللہ حساب دینا ہے جس کا یہ خیال پختہ ہو جائے اس کے لیے نجات ہے۔

موضوع اٹاری میں بابا اللہ دتہ ملاح رہتا تھا۔ اس کے جنازے پر حضرت میاں صاحبؒ تشریف لائے چونکہ وہ معمولی آدمی نہ تھا اس کے جنازہ پر سیکڑوں آدمی تھے۔ آپؒ نے وہاں باثر وعظ فرمایا اور جس کی داڑھی کٹی ہوئی تھی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں آپؒ نے مونچھیں کٹوائیں اور آئندہ کے واسطے عہد لیا کہ پھر کبھی داڑھی نہیں کٹوائیں گے نہ ہی منڈوائیں گے اور نماز پڑھیں گے۔ وہاں ایک سکھ مدرس موجود تھا اس کو آپؒ نے بغل میں لے کر فرمایا ہم سے تو یہ سکھ ہی بڑھا ہوا ہے

افسوس یہ ہے کہ اپنے مذہب کی کس قدر عزت کرتے ہیں اور مسلمانوں کو کیا ہو گیا۔ غرض اس وقت تمام حاضرین آپ کے نصائح سے متاثر ہو کر زار و زار رونے لگے اور زاری کے بعد سب نے توبہ کی اور عرض کی کہ آئندہ ہماری توبہ ہے آپؒ ہمارے واسطے دعا فرمائیں

کہ پچھلے گناہ بخشے جائیں۔

مولوی چراغ الدین صاحب کا بیان ہے آپؒ فیض پور خورد پیر حسن شاہ صاحبؒ کے فاتحہ پر تشریف لے گئے گاؤں کے مرد و زن سب اکٹھے ہو گئے اور آپؒ نے وہاں پر وعظ فرمایا اور مسلمانوں کو ان کی حالت سے متنبہ کیا۔ وہاں بھی ایک سکھ موجود تھا اس کو پاس بٹھا کر مسلمانوں کو اس کی شکل سے مقابلہ کرایا۔ مسلمان بہت ہی شرمندہ ہوئے اور آئندہ کے واسطے توبہ کی۔

حضرت قبلہ میاں صاحب علیہ الرحمتہ ہر قول ہر فعل میں اتباع سنت ملحوظ رکھتے تھے اگر کسی سے خلاف سنت فعل صادر ہوتا تو آپؒ سخت ناراض ہوتے۔ آپؒ کے ہر مکتوب میں جو کہ بندہ کی نظر سے گزرے ہیں یہ لفظ ضرور ہوتا تھا۔ ''دین کی سعی کرو۔''

ایک دفعہ ایک مولوی صاحب حاضر ہوئے اور تغیر زمانہ کی گفتگو ہونے لگی تو مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حدیث شریف میں بھی ایسا ہی آیا ہے کہ قرب قیامت کے وقت مسجدیں بہت ہوں گی اور نمازی کم اور فسق و فجور کا اس قدر زور ہوگا کہ اسلام کا صرف نام ہی رہ جائے گا حدیث شریف کے مطابق سب کچھ ہوگا۔ آپؒ نے فرمایا مولوی صاحب اگر نہر جاری ہو اور اس میں جا بجا سوراخ ہو کر پانی ادھر ادھر بہنا شروع ہو جائے تو کدال لے کر ان سوراخوں کو زیادہ فراخ کرنا چاہیے یا بند کرنا چاہیے یہ سن کر مولوی صاحب حیران ہو گئے اور جواب دیا کہ اس حالت میں سوراخوں کو بند کرنا چاہیے تب آپؒ نے فرمایا اس وقت سنت کی نگرانی کی سخت ضرورت ہے ایسے گئے گزرے وقت میں جو شخص سنت کی نگرانی کرے گا حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ''وہ قیامت کو میرے ساتھ ہوگا بلکہ اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔''

رُشد وھدایت

(اقتباسات از شیر ربانی)

حضرت میاں صاحبؒ حنفی المذہب تھے۔ طریقہء عالیہء نقشبندیہ کے پیرو تھے۔ اٹھتے بیٹھتے اتباع سنت جو کہ اس سلسلہء عالیہ کا نصب العین ہے ملحوظ رکھتے۔ کسی سے خلاف سنت فعل صادر ہوتا تو بہت خفا ہوتے۔ محمدی المشرب تھے اور مسلمانوں کو اس مشرب پر عمل پیرا دیکھنا چاہتے تھے۔ اگر کوئی صاحب حضرت قبلہ کے روبرو ان کی شان میں مبالغہ سے کام لیتے تو ان سے بہت بگڑتے فرماتے کہ یہ ہستی ہرگز پیر بننے کے لائق نہیں ہے۔ اسی طرح لفظ مرید کا برا مناتے۔ صاف اور سادہ لباس شرع شریف کے مطابق زیب تن فرماتے اور ملنے والوں سے بھی یہی لباس پہننے کی تاکید فرماتے ۔انگریزی بود و باش اور انگریزی وضع قطع کے لباس کو بہت ناپسند فرماتے۔ قبلہ رخ مودب اور دوزانو بیٹھتے اوروں کو بھی اسی بیٹھک کی تلقین فرماتے کہ شریعت کے مطابق کھانا پینا اور اٹھنا بیٹھنا عین دین ہے۔ علماء دین کی عزت اور بزرگوں کا احترام کرتے۔

مروجہ تعلیم یافتہ جب حضرت قبلہ کے پاس حاضر ہوتے تو ان کی نصرانی وضع قطع سے جی ہی جی میں کڑھتے اور ان سے فرماتے کیا تمہارے آبا و اجداد کی یہی شکل و شباہت تھی۔ "سکھ بھائی تو ایسا نہیں کرتے انہیں جو گرو صاحب نے تعلیم دی ہے، اس پر چلتے ہیں ہائے مسلمانوں کو کیا ہو گیا، ہمارا قانون تو الٰہی ہے، سکھ کیا ملازمتیں یا کاروبار نہیں کرتے انہیں گرو کی پیروی کے جرم میں کوئی نکال تو نہیں دیتا،

مسلمان قیدیوں کی داڑھی بھی مونڈی جاتی ہے انگریز جان گیا ہے کہ مسلمان مذہب کے کچے ہیں''۔

فیشن زدہ انگریزی خواندوں سے حضرت قبلہ اکثر دریافت فرماتے کہ کہاں تک تعلیم پائی ہے۔کوئی چودہ بتاتا کوئی سولہ (بی اے یا ایم اے) حضرت فوراً سوال کرتے بسم اللہ اور کلمہ شریف ہی کے معنی بتادو؟ مدمقابل خجالت سے گردن ڈال دیتے۔

ایک مولوی صاحب حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے،فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے لیے ہماری طرف رسول مقبول کو دین حق دے کر بھیجا تھا آج اس پر کس قدر عمل ہو رہا ہے؟ مولوی صاحب نے نگاہیں نیچی کرلیں،فرمایا''سب ایک ہی ڈگر پر جا رہے ہیں دین کی طرف کوئی راغب نہیں ہوتا۔عالموں اور مولویوں نے اپنی اپنی خواہش کے مطابق قرآن پاک کے معنے گھڑ لیے ہیں اور اپنے وقار کے لیے فرقہ بندی میں الجھ گئے ہیں اصل اسلام چھوڑ بیٹھے ہیں''۔

فرماتے جس کلمہ شریف کو حضور نبی کریم ﷺ نے اپنا اور اپنے صحابہ کرام کا خون بہا کر حاصل کیا تھا آج اس کو مسلمان مفت دے رہے ہیں اور جس داڑھی کے لیے جناب سرورکائنات نے مصائب جھیلے تھے آج مسلمان اس کی ذرہ برابر قدر نہیں کرتے فرنگیت کے غلبہ نے اسلام کو تباہ کر دیا ہے۔

صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوریؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ ایک نوجوان کو بڑی تن دہی سے تلقین فرما رہے تھے کہ میاں دین میں سعی اور کوشش کرو۔صوفی صاحب فرماتے ہیں کہ میں سوچنے لگا کہ بھلا یہ نوعمر اسلام کی حقیقت کو کہاں سمجھتا ہوگا مگر حضرت قبلہ بار بار یہی تکرار فرما رہے تھے دین میں کوشش کرو اس وقت حضرتؒ کے چہرہ

مبارک کی رنگت متغیر تھی۔ایک روز حاضرین سے جوش وخروش سے فرماتے تھے کہ حدیث شریف میں دیکھا ہے کہ بے راہرویوں کے سبب مسلمان بھی یہودیوں کی طرح ذلیل و خوار ہوں گے۔صحابہ کرام نے حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا تھا کہ حضور آخر ایسا کیوں ہوگا ؟ارشاد گرامی ہوا کہ یہودیوں میں بہتر فرقے ہیں اور مسلمانوں میں تہتر ہوں گے!

حضرت صاحبزادہ محمد عمرؒ بیر بل والے لکھتے ہیں کہ ایک صاحب شاہ ابوالخیرؒ کے متوسلوں میں سے تھے اور قبرستان میں قیام رکھتے تھے۔کسی زمانے میں محکمہ پولیس میں ملازم رہ چکے تھے اور اب فقیر بن گئے تھے حضرت قبلہ کی خدمت میں اکثر آیا کرتے تھے۔ایک روز قمیص پہن کر آئے۔حضرت نے نہ ٹوکا اگلے روز آئے تو فرمایا یہ انگریزی وضع کی قمیص خلاف سنت ہے۔انہوں نے کچھ غور نہ کیا حضرت قبلہ نے آگے بڑھ کر ان کی آستینوں کے کف پھاڑ ڈالے۔وہ ہر چند کہتے کہ حضرت میں پھاڑے دیتا ہوں فرمایا ''یہ تکلیف میں ہی کر لیتا ہوں آپ کیوں اٹھائیں''۔

حضرت صاحبزادہ صاحب ایک جگہ اور ''انقلاب الحقیقت'' میں تحریر کرتے ہیں کہ حضرت قبلہ بالا خانے سے تشریف لائے۔مکان کا نچلا حصہ زائرین سے پر تھا حضرت قبلہ دوزانو بیٹھ گئے اور ایک طرف سے ملاقات فرمانے لگے۔ایک صاحب قریب آئے اور پوچھا کیا نام ہے۔عرض کیا ''بہاوَلا''۔فرمایا ''بہاوَلا کیا، بہاوَالدین ہوگا نام''اس کی منڈی ہوئی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر فرمایا ''بہاوَالدین یہ کیا ؟نام بہاوَالدین اور یہ چہرہ۔مسلمان کے مسلمان اور بے ایمان کے بے ایمان''اس کی دونوں مونچھیں پکڑ کر زور سے کھینچنے لگے اور فرمانے لگے ''لا الٰہ الا اللہ انگریز رسول اللہ ''اور طمانچے بھی دیئے۔تھوڑی دیر بعد فرمایا ''کس کے ساتھ آئے ہو؟ میاں صاحب

کے ہمراہ آیا ہوں۔ ایک نوجوان کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ حضرت قبلہ اس کی طرف بڑھے یہ چوبیس پچیس سال کے خوبرو جوان تھے داڑھی مونچھ صفا چٹ، حضرت قبلہ نے نام دریافت کیا بولا حسین، حضرت نے فرمایا ''کیا حسین ہے؟'' اس نے کہا جی ہاں حضرت قبلہ اس کی ٹھوڑی کو ادھر ادھر گھما کر فرمانے لگے ''دیکھو یہ حسین کی شکل ہے یہ حسین ہے'' اسی اثنا میں اس کے تین چار طمانچے رسید کیے اور فرمایا کہو لا الہٰ الا اللہ انگریز رسول اللہ، لا الہٰ الا اللہ لندن کعبۃ اللہ'' وہ بیچارہ مارے خوف کے کانپ رہا تھا، حاضرین بھی دم بخود تھے اس سے پھر ارشاد فرمایا ''اپنے باپ دادا بھی دیکھے تھے سنا ہے وہ بزرگ تھے لوگ ان کے مزار پر حاجات طلب کرنے کے لیے جاتے ہیں، کیا وہ اسی شکل و صورت کے تھے کہتے ہوئے دو تین طمانچے اور جڑ دیے اس سے دریافت فرمایا ''کتنی زمین کے مالک ہو'' عرض کیا چودہ مربعے ہیں حضرت قبلہ نے فرمایا ''اتنا دے رکھا ہے اور پھر یہ حالت ہے'' دریافت کیا ''کیا کام کرتے ہو'' اس نے کہا ذیلدار ہوں۔

فرمایا ''یہاں کس کام کے لیے آئے ہو؟'' عرض کیا کپتان صاحب آئے ہوئے ہیں ان سے ملنے کے لیے چلا آیا ہوں۔ ارشاد فرمایا ''لوگوں کے فیصلے گھر پر ہی کر دیا کرو، صورت و سیرت مسلمانوں کی اختیار کرو، انگریزوں کے افسر جو گھر آجائیں ان کی خدمت کر کے ٹال دیا کرو، ان کے پیچھے دوڑنے کی ضرورت نہیں۔ نیز فرمایا، آج دوپہر کا کھانا یہیں کھانا تھوڑی دیر کے بعد اس کا ہاتھ پکڑ کر کوٹھے پر لے گئے۔ راز دار تاڑ گئے کہ حسین نے مار تو کھائی لیکن جس کام کے لیے آئے تھے وہ بن گیا ہے۔

حضرت قبلہ نماز با جماعت کے بہت پابند تھے خلاف شریعت امور کی سرزدگی پر فرماتے ''مسلمان جب کسی خلاف شریعت امر کو دیکھے تو ایسا ہو جائے جیسے

بھوکا بھیڑیا"۔

ایک دن امام دین صاحب خادم نل سے پانی بھر رہے تھے عصر کی اذان ہو چکی تھی، حضرت قبلہ کسی کام سے نیچے تشریف لائے اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا "تو نماز کے لیے نہیں گیا؟" وہ بہرے تھے جواب کیا دیتے حضرت قبلہ خفا ہو رہے تھے تم نے نماز با جماعت کی پروا نہیں کی اس لیے تمہارے یہاں رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد خادم محمد دین آئے تو ان سے بھی یہی فرمایا وہ بولے امام دین بہرہ ہے۔ حضرت کا ارشاد سنا نہیں ہوگا قصور معاف فرمایا جائے۔ فرمایا اس سے کہہ دو اگر آئندہ جماعت فوت ہوئی تو نکال دوں گا' امام دین صاحب آئندہ بہت محتاط رہتے اور ہمیشہ نماز با جماعت ادا کرتے۔ ایک مرتبہ ہندوستان سے صابری سلسلہ کے ایک بزرگ حاضر خدمت ہوے اور دعا کے لیے درخواست کی' حضرت قبلہ نے انکار کیا' وہ اصرار کر رہے تھے آخر ہاتھ اٹھا دیے اور انہیں جانے کی اجازت دیتے ہوے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھائے تھے کہ حضرت قبلہ کی نگاہ ان کے سیاہ رنگ کے انگریزی جوتے پر پڑ گئی چہرے کا رنگ بدل گیا فرمایا" کہتے ہیں بزرگوں سے تعلق ہے اور یہ عمر ہے پھر بھی انگریزی جوتا پہنتے ہیں' وہ معذرت کرتے ہوئے بولے حضور پھر کبھی نہ پہنوں گا حضرت قبلہ جوتا ناپ کر خادم دین محمد سے بولے کہ جوتا جو اندر رکھا ہے اٹھا لاؤ۔ خادم جوتا لے کر آئے حضرت قبلہ نے ناپا اور ان سے فرمایا یہ پہن لو پیر میں درست آئے گا۔ ان کے سامنے رکھ دیے۔ جب پہن چکے تو بڑے میاں گرگابی اٹھانے کے لیے جھکے تو حضرت قبلہ نے روک دیا۔ وہ اصرار کرتے تھے اور وعدہ کرتے تھے اس کو پھر نہ پہنوں گا آخر انہیں جوتا لے جانے کی اجازت دے دی۔

صوفی محمد ابراہیم صاحب قصوری لکھتے ہیں کہ حضرت قبلہ کے ہمراہ ایک مرتبہ قصور کے بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک جگہ چند لڑکے کھیل کود میں مشغول تھے حضرت قبلہ نے فرمایا یہ جو لڑکے کھیل رہے ہیں ان میں بھی استعداد موجود ہے کہ یہ محنت اور کوشش سے حافظ، عالم اور ولی بن سکتے ہیں۔ حضرت قبلہ کے روبرو جب کوئی شخص آتا تو ایک نگاہ میں سرتاپا اسے دیکھ لیتے کوئی فعل خلاف سنت نظر آتا تو بلا کھٹکے تنبیہ فرماتے۔

صاحبزادہ حضرت محمد عمر صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ حضرت قبلہ کی مجلس میں حاضر ہونے والے کے لیے ضروری تھا کہ وہ پہلے داہنا قدم ٹکائے دوزانو بیٹھے، سینہ پر نظر جمائے رکھے، سر پر خالی ٹوپی یا محض پگڑی کو ناپسند فرماتے تھے اور اکثر ارشاد ہوتا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا فرمان ہے کہ صرف ٹوپی نصرانی پہنتے ہیں اور خالی پگڑی یہودی استعمال کرتے ہیں مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ایک ساتھ دونوں استعمال کریں۔ حضرت صاحبزادہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضرت قبلہ جو شخص پگڑی باندھے ہوتا اور سر کی چوٹی کھلی ہوتی تو اسے ہدایت فرماتے اور اکثر کو ململ یا لٹھے کی ٹوپی پہنا دیتے اور اس کے اوپر پگڑی بندھواتے۔ ایک مرتبہ ایک بوڑھے ساربان کو حضرت قبلہ نے ٹوپی پہنائی کہتے ہیں اسی وقت ان کے چہرے پر نور آ گیا، حضرت قبلہ نے فرمایا ''میں تو پیروی سنت کے لیے ٹوپی پہناتا ہوں لیکن بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ کلاہ خلافت ہے حالانکہ مجھے اس خلافت سے کیا واسطہ''۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ پانی پت میں تھا، امام صاحب نماز کے لیے تشریف لائے ،سر پر محض ٹوپی اوڑھے تھے۔ میں نے کہا ''عمامہ کہاں؟'' بولے یہ ٹوپی سرکاری ہے

،پوچھا"کہاں سے لی ہے؟حضور علیہ الصلوۃ تو ٹوپی اور پگڑی سے امامت فرماتے تھے"امام صاحب بولے یہ سرکار انگریز سے ملی ہے۔فرماتے ہیں میں نے اسی وقت اپنی پگڑی کے دوٹکڑے کیے نصف اپنے سر پر باندھی اور نصف ان کو دی۔بہت حیران ہوے جب آگاہ ہوے تو معافی کے طلب گار ہوے۔

ایک صاحب فرماتے ہیں کہ انہیں اکثر مسجد کی صف کے تنکے توڑنے کی عادت تھی۔ایک مرتبہ حضرت قبلہ کے روبرو حاضر ہوے تو ممدوح نے فرمایا کہ صف کے تنکے توڑنا مسجد کے آداب کے خلاف ہے۔لوگوں کو مسجد میں دوزانو بیٹھنے کی تاکید فرماتے۔

طعام کے وقت بھی آداب ملحوظ رکھتے، پہلے ہاتھ دھونے کی تلقین فرماتے دسترخوان پر ایک زانو بیٹھنے (یعنی دایاں گھٹنا کھڑا کرنے اور بایاں بچھانے) کی ہدایت فرماتے،کھانا دو چار آدمیوں کو ایک ہی برتن میں (جو کہ مٹی کا ہوتا تھا) ایک ساتھ بٹھلا کر کھلاتے،سالن جو بچ رہتا اسے پینے کی ہدایت فرماتے اور پھر برتن صاف کرنے کو کہتے بعدازیں دعا فرماتے۔یہ وہ باتیں ہیں جو مسنون ہیں۔

ایک صاحب تلقین ذکر کے لیے حاضر ہوے اور عرض کیا کہ حضرت دعا فرمائیں کہ دنیا سے الگ ہو بیٹھوں۔حضرت قبلہ بولے کہاں جاؤ گے قبر بھی تو آخر دنیا ہی میں ہوگی۔حضرت قبلہ ترک دنیا کو ہمیشہ برا سمجھتے تھے۔

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت چلہ کی تلقین فرمایئے۔ارشاد فرمایا ہم چلہ کشی کو پسند نہیں کرتے،اتباع سنت ہمارے لیے بہت کافی ہے سبحان اللہ سنت کی اہمیت پر کس خوبی سے روشنی ڈالی ہے۔

حضرت صاحبزادہ محمد عمر صاحبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے پختہ مکان کی تعمیر کا اشتیاق تھا جب حضرت قبلہ کی خدمت میں آیا تو حضرت مجلس سے خطاب فرما رہے تھے، کہ لقمان سے کسی نے سوال کیا کہ گھر کیوں نہیں بناتے انہوں نے مٹھی بھر مٹی لے کر بہتے ہوئے پانی میں ڈال دی اور کہا کہ کیونکر بناؤں؟ مطلب یہ کہ عمر رواں پر کیونکر بھروسا اور قیام ہو۔ حیات چندروزہ اور دنیا کی بے ثباتی کی اس سے بہتر اور کیا مثال ہوسکتی ہے۔

حضرت صاحبزادہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں ایک مرتبہ آٹا پیسنے کی چکی لگانے کا خیال ہوا حضرت قبلہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو ممدوح ایک صاحب سے مخاطب ہوکر بولے کہ انگریزی کلوں نے رہا سہا کام بھی بگاڑ دیا ہے جب سے مشینی چکی چلی ہے اس نے خراس بند کر دیے ہیں، جسے دیکھو انگریزی ایجاد کو اپنانے کی دھن میں ہے۔

حضرت قبلہ کا دوسرے کو بات سمجھانے اور سوجھانے کا بھی خاص ڈھنگ تھا ، بات کہہ بھی دیتے تھے اور دوسرا سمجھ بھی لیتا تھا۔ براہ راست سائل سے خطاب نہ فرماتے تھے تاکہ وہ ناحق خفیف نہ ہو۔

ایک مرتبہ بھیرہ کمیٹی کے پریزیڈنٹ خدمت عالیہ میں حاضر ہوئے حضرتؒ نے فرمایا آپ کہاں سے آئے ہیں کہنے لگے بھیرہ کمیٹی کا پریزیڈنٹ ہوں۔ حضرتؒ جوش میں آگئے فرمایا میں ڈنڈ ونڈ نہیں جانتا۔ رکتے ہوئے بولے ''میری پیدائش عرب شریف میں ہوئی تھی'' فرمایا ''ہاں جنت البقیع میں سے اونٹ بھی لدے ہوئے گزرتے ہیں''۔

ایک صاحب میاں رمضان نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ میرا بھائی کے

ساتھ جھگڑا ہو گیا ہے، حضرت قبلہ بولے، کتوں کی طرح پیسے پر ایک بھائی دوسرے بھائی سے لڑتا ہے اور پھر میرے پاس آجاتے ہیں۔ بھائی کے مقابلے میں زر کشی کی لعنت کو کس عمدگی سے بیان فرمایا ہے، ارشاد فرمایا کہ میرے نزدیک وہ شخص اچھا ہے جو معاملات (لین دین) میں اچھا ہے۔ فرمایا بتوں والے پیسوں نے ہمارے اندر بھی بت رکھ دیے ہیں ہم میں سے خدا خوفی اور خدا ترسی اٹھ گئی ہے اور بتوں کی پوجا رہ گئی ہے۔

حضرت قبلہ اپنی مسجد میں نماز جمعہ خود پڑھاتے تھے۔ جمعہ کے روز دور دور سے لوگ آتے اور حضرت قبلہ کے مواعظ حسنہ سے مستفید ہوتے اور ان کی امامت میں اقتدا کرتے۔ گرمیوں میں جب لوگ دھوپ میں بیٹھنے سے گھبراتے اور جاڑوں میں مسجد کے اندر بیٹھنے سے گریز کرتے حضرت قبلہ عوام کی اس کمزوری اور تن آسانی پر فرماتے "پہلے مسلمان لوگ اسلام کی خاطر خون بہاتے تھے اور اف نہ کرتے تھے۔ لیکن آج کا مسلمان پسینہ بہانے سے بھی گریز کرتا ہے مسجد میں گھڑی بھر کو بیٹھنے ہی سے گھبراتا ہے"۔

ایک مرتبہ ایک نوجوان کو کھڑا ہونے کا حکم فرمایا۔ ہاتھ سے اس کے دونوں پاؤں کا فاصلہ ناپا اور ارشاد فرمایا کہ نماز پڑھتے وقت دل میں کہا کرو کہ اے الٰہ العالمین میں نے اپنا منہ تو تیری طرف کیا ہے اب تو میرے دل کو بھی اپنی طرف پھیر دے کیونکہ وہ میرے اختیار سے باہر ہے۔ سبحان اللہ عبادت میں خلوص اور نماز میں حضوری دل کی اہمیت کو کس موثر اور سادہ انداز میں واضح فرمایا ہے۔

فرمایا آج کل اللہ پاک کے ذکر کو قضائے حاجت کے فریضہ اتنی بھی اہمیت نہیں دی جاتی۔ بیمار ہوں، گرمی کا موسم ہو یا سردی کا، بیت الخلا میں جانا نہیں چھوڑتے لیکن نماز کے لیے معمولی بہانہ ہاتھ آجائے تو چھوڑ بیٹھتے ہیں معبود

حقیقی سے غفلت کی اس سے بہتر مثال نہیں ہوسکتی۔

فرمایا ''بابا ہم فقیری وقیری نہیں جانتے ہم تو صرف سنت نبی کریم ﷺ کو جانتے ہیں'' سبحان اللہ پیروی سنت میں دونوں جہان کی فقیری آ گئی۔

فرمایا ہمیں تو ایک ہی شجرہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کافی ہے اور کسی شجرہ کی ضرورت نہیں ہم فقیر تو بنتے ہیں مگر مسلمان نہیں بنتے۔ کلمہ توحید کی تعریف کس انداز میں فرمائی ہے لوگ اپنی فقیری کے جواز میں کوئی نہ کوئی شجرہ طریقت پیش کرتے ہیں حالانکہ لا الٰہ الا اللہ کی کسوٹی پر پورا اترنا شرط ہے اگر یہ نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے، گویا شجرہ کافی نہیں ہے۔

ایک روز ایک صاحب بولے حضرت صفائی حاصل نہیں ہوتی فرمایا ''ہاتھ بھی ہیں پاؤں بھی ہیں آنکھ بھی ہے اور زبان بھی ہے، پھر صفائی کس طرح حاصل ہو''۔ سبحان اللہ چند لفظوں میں معرفت کی پوری تعلیم بیان فرمادی اور جسم کے ان اعضاء کو بھی گن دیا جن کا کام یہی ہے کہ وہ اگر کام کریں تو اللہ کی راہ میں، اٹھیں تو اس کے راستے میں، دیکھیں تو اس کا مشاہدہ کریں اور بولیں تو اس کا ذکر نوک زبان ہو۔

فرمایا ''اللہ کے لفظ کے حروف نہایت بابرکت ہیں اور ان کی بے شمار برکات ہیں لیکن خود ذات بابرکات کے بغیر اسم کا کیا فائدہ اور اس کے مقابلے میں اس کی کیا حقیقت؟'' پھر حضرت قبلہ صرف نام رٹنے کو پسند نہ فرماتے تھے بلکہ عمل پر زور دیتے تھے۔

فرمایا سو برس کی عبادت ہو اور نیک عمل نہ ہو تو یہ بےکار ہے۔ عمل بھی ہو اور عبادت بھی ہو یہ سونے پہ سہاگہ ہے۔ دراصل عبادت عمل ہی کے لیے ہے بغیر خوشبو کے پھول کا رآمد نہیں ہوتا۔ روح نہ ہو تو جسم مردہ ہے!

شجرہ طیبہ

اعلیٰ حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری قدس سرہ العزیز و
حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ شرقپوری قدس سرہ العزیز
(مع تاریخ وصال اور مقام مزار شریف)

نام	تاریخ وفات	آخری آرام گاہ
۱۔ حضرت سید المرسلین خاتم النبین رحمۃ للعالمین سید نا و شفیعنا وسیلتنا فی الدارین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۲ ربیع الاول ۱۱ھ	مدینہ منورہ
۲۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	۲۲ جمادی الثانی ۱۳ھ	مدینہ منورہ
۳۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	۱۰ رجب ۳۳ھ	مدائن
۴۔ حضرت امام قاسم رضی اللہ عنہ بن محمد بن ابی بکر	۱۴ جمادی الاول ۱۰۱ھ	مدائن
۵۔ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ	۵ رجب ۱۴۸ھ	مدینہ منورہ
۶۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴ شعبان ۲۶۱ھ ۱۰	بسطام
۷۔ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ	۱۰ محرم الحرام ۴۲۹ھ	خرقان
۸۔ حضرت خواجہ ابوعلی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ	۳ ربیع الاول ۴۷۷ھ	طوس
۹۔ حضرت خواجہ یوسف ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ	۲۷ رجب ۵۳۵ھ	مرو

۱۰۔ حضرت خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ	۱۲ ربیع الاول ۵۷۵ھ	غجدوان
۱۱۔ حضرت خواجہ عارف ریوگریؒ	یکم شوال ۶۱۶ھ	ریوگر قریب
۱۲۔ حضرت خواجہ محمود انجیر فغنویؒ	۷۱۵ھ	انجیر فغنہ
۱۳۔ حضرت خواجہ رامیتنیؒ	۲۸ ذی قعدہ ۷۲۱ھ	خوارزم (بخارا)
۱۴۔ حضرت خواجہ محمود بابا سماسیؒ	۱۰ جمادی الثانی ۷۵۵ھ	سماس (بخارا)
۱۵۔ حضرت خواجہ امیر کلالؒ	۸ جمادی الاول ۷۷۲ھ	سورخا (بخارا)
۱۶۔ حضرت خواجہ بہاء الدین نقشبندؒ	۳ ربیع الاول ۷۹۱ھ	بخارا
۱۷۔ حضرت خواجہ علاء الدین عطارؒ	۲۰ رجب ۸۰۲ھ	نوحفانیاں
۱۸۔ حضرت مولانا یعقوب چرخیؒ	۵ صفر ۸۰۱ھ	بلغنور
۱۹۔ حضرت خواجہ عبیداللہ احرارؒ	۲۹ ربیع الاول ۸۹۵ھ	سمرقند
۲۰۔ حضرت مولانا زاہد ولیؒ	یکم ربیع الاول ۹۳۹ھ	موضع وحش
۲۱۔ حضرت مولانا محمد درویشؒ	۲۹ محرم ۹۰۷ھ	استقرارؒ
۲۲۔ حضرت خواجہ محمد امکنگیؒ	۲۲ شعبان ۱۰۰۸ھ	بخارا
۲۳۔ حضرت خواجہ محمد باقی باللہؒ	۲۵ جمادی الثانی ۱۰۱۲ھ	دہلی شریفؒ
۲۴۔ حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ	۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ	سرہند شریف
۲۵۔ حضرت محمد سعیدؒ	۲۸ جمادی الثانی ۱۰۷۰ھ	سرہند شریف

۲۶۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ	۹ ربیع الاول ۱۰۷۹ھ	سرہند شریف
۲۷۔ حضرت خواجہ عبدالاحدؒ	۲۷ ذی الحجہ ۱۱۲۶ھ	سرہند شریف
۲۸۔ حضرت محمد حنیف پارساؒ	یکم صفر ۱۰۲۳ھ	بامیان (کابل)ؒ
۲۹۔ حضرت خواجہ محمد زکیؒ	۱۱۴۳ھ	اتنکی لائفی (عرب)
۳۰۔ حضرت خواجہ شیخ محمدؒ	۹ ذی الحجہ ۱۱۴۹ھ	مکہ مکرمہؒ
۳۱۔ حضرت خواجہ محمد زمانؒ	۴ ذی قعدہ ۱۱۸۸ھ	حیدرآباد (سندھ)ؒ
۳۲۔ حضرت خواجہ حاجی احمدؒ	۹ ذی الحجہ ۱۲۲۳ھ	قاضی احمد (سندھ)ؒ
۳۳۔ حضرت خواجہ شاہ حسینؒ	۱۲۲۷ھ	رتڑ چھتر مکان شریف
۳۴۔ حضرت امام علی شاہؒ	۱۳ شوال ۱۲۸۲ھ	رتڑ چھتر مکان شریف
۳۵۔ حضرت خواجہ صادق علی شاہؒ	۱۳۱۷ھ	مکان شریفؒ
۳۶۔ حضرت خواجہ امیر الدینؒ	۹ ذی القعدہ ۱۳۳۱ھ	کوٹلہ پنجوبیگؒ
۳۷۔ حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ	۳ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ	شرقپور شریف
۳۸۔ حضرت میاں غلام اللہ شرقپوریؒ	۷ ربیع الاول ۱۳۷۷ھ	شرقپور شریف

دارالمبلغین حضرت میاں صاحبؒ شرقپور شریف کی اعانت

قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد ربانی ہے کہ امت مسلمہ میں ایک ایسا گروہ ہر وقت موجود رہنا چاہیے جو لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ تبلیغ اسلام کی ضرورت اور حصول علم کی اہمیت اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب پاک ﷺ کے فرامین عالیہ سے واضح ہے۔ دین اسلام کی تبلیغ کی اہمیت اور ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت صاحبزادہ میاں جمیل احمد شرقپوری نقشبندی مجددی سجادہ نشین آستانہ عالیہ شرقپور شریف نے دارالمبلغین حضرت میاں صاحبؒ کی بنیاد ڈالی تا کہ تبلیغ کے لیے مبلغ تیار کیے جائیں۔ یہ ادارہ حضرت ثانی لاثانی میاں غلام اللہ شرقپوریؒ برادر حقیقی وسجادہ نشین اعلیٰ حضرت شیر ربانی میاں شیر محمد شرقپوری کی یادگار کے طور پر ۱۹۶۰ء میں قائم ہوا، اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نہایت احسن طور پر چلایا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ جامعہ شیر ربانیؒ برائے طالبات کا بھی باقاعدہ آغاز ہو چکا ہے اور طالبات کی تعلیم وتربیت کے ساتھ ساتھ ان کی رہائش وخوراک کا بھی معقول بندوبست کیا جا چکا ہے۔ اس مدرسے کو چلانے کے لیے خلوص ہمت اور توجہ کے ساتھ ساتھ سرمایہ کی بھی ضرورت ہے قیمتوں میں گرانی کی وجہ سے اخراجات زیادہ ہو چکے ہیں۔ آپ سے اپیل ہے کہ آپ خاص توجہ فرماتے ہوئے اس دینی ادارے کو کامیاب بنانے اور تبلیغی کام کو احسن طریقے سے نبھانے میں شایان شان طور پر تعاون فرما کر عنداللہ ماجور ہوں اور اعلیٰ حضرت شیر ربانی حضرت میاں شیر محمد شرقپوریؒ کے روحانی فیض سے مستفیض ہوں۔

(ادارہ)